جن الفاظ سے ذکر ہے انہیں سے اس قول کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

" فروی عنهما باسناد ضعیف انها علی دیة الرجل فی القلیل والکثیر "

اب اس اختلاف کو ایک تو "رُوِیَ" کے الفاظ سے ذکر کیا گیا اور اہل علم جانتے ہیں کہ جو قول "رُوِیَ" کے لفظ سے منقول ہو اس کا کیا مقام ہوتا ہے۔ پھر اسی پہ اکتفاء نہیں کیا بلکہ صراحت سے بغیر کسی ابہام کے کہا۔ باسناد ضعیف۔

پوری دیت کے قائل حضرات نے حضرات عمرؓ اور علیؓ کے اس قول کے ساتھ مندرجہ بالا الفاظ (باسناد ضعیف) کو نقل نہیں کیا۔ اس قسم کی چیزوں سے عوام کو تو مرعوب کیا جا سکتا ہے لیکن اہل علم کی نظروں سے تو یہ چیزیں مستور نہیں ہوتیں۔

اس کے مقابلے میں حضرت عمر فاروقؓ اور علی المرتضیٰؓ سے نصف دیت کا جو قول ہم نے کتاب الحجۃ کے حوالے سے سابقاً ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح اسناد کے ساتھ منقول ہے اس میں نہ ہی "ضعف" ہے اور نہ ہی "ضعف" کے الفاظ سے منقول ہے۔

اب ظاہر ہے ایک صحیح قول جسے لاتعداد فقہاء نے قبول کیا ہے اس کے مقابلے میں یہ قول ضعیف اور متروک ہوگا۔

۳۔ المنتقی جلد ۷ ص ۸۰ کے حوالے سے حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے بھی برابر دیت کا قول ذکر کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں گذارش ہے کہ یہ قول ایک تو بغیر کسی سند کے نقل کیا گیا ہے دوسرے یہ کہ اس کو ایک مالکی عالم الباجی ذکر کر رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم نے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے جو اقوال (نصف دیت کے) نقل کیے ہیں وہ ان کے اپنے اقوال ہیں اور ان کی اپنی ہی کتابوں میں درج ہیں۔ نیز امام شافعی تو یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ عورت کی نصف دیت سے اختلاف کرنے والا کوئی اہل علم مجھے معلوم ہی نہیں۔

ان صحیح اقوال کی موجودگی میں الباجی کا بغیر کسی سند کے ذکر کردہ برابری دیت کا قول مرجوح ہوگا اور ان (امام ابو حنیفہ و امام شافعی) کے اپنے اقوال اور اپنی کتابوں میں مذکور

اقوال راجح ہوں گے۔

۴۔ مساوی دیت کے قائل احباب نے ابن علیہ اور اصم سے بھی برابری دیت کی روایت المغنی لابن قدامہ جلد ۹ ص ۵۳۲ کے حوالہ سے پیش کی ہے۔

المغنی کے مذکورہ مقام کی طرف رجوع کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی مرد اور عورت کی برابر دیت کا مسئلہ مذکور نہیں۔ البتہ ابن قدامہ نے المغنی کی جلد ہشتم ص ۳۸۷ پر کتاب الدیات میں یوں درج کیا ہے۔

(عن ابن علیۃ والاصم انہما قالا دیتہا کدیۃ الرجل لقولہ علیہ السلام" فی النفس المومنۃ مأۃ من الابل" وھذا قول شاذ یخالف الصحابۃ وسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(المغنی لابن قدامہ جلد ۸ ص ۳۸۷ تحت کتاب الدیات۔)

مطلب یہ ہے کہ ابن علیہ اور اصم دونوں نے یہ کہا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی طرح ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نفس مؤمنہ کی دیت سو اونٹ ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ قول شاذ ہے اور صحابہ کے فرمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔

ابن علیہ اور اصم کے اس قول پر ابن قدامہ کا تبصرہ اور رائے ہی اس بات پر دال ہے کہ یہ قول ناقابل قبول ہے۔ ابن قدامہ کے نقد کے بعد مزید گنجائش ہی نہیں کہ اس قول پر مزید جرح کی جائے۔

ابن قدامہ جیسا فقیہ جب اس کو شاذ اور صحابہ و سنت نبوی کے خلاف قرار دے رہا ہے تو صحیح روایات کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

اسی طرح دیگر اکابر علماء نے مرد اور عورت کی دیت میں برابری کی روایت کو صحابہ کرام کے فتوی کے خلاف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ:

فان کبار الصحابۃ رضی اللہ عنہم افتوا بخلافہ ولو کانت سنۃ الرسول لما خالفوھا۔

۱۔ عنایہ حاشیہ ہدایہ ص ۳۰۶ جلد آٹھ تحت کتاب الدیات
برحاشیہ فتح القدیر
۲۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی حنفی۔ ص ۲۲۸
ج ۶ تحت کتاب الدیات طبع مصر

مطلب یہ ہے کہ اکابر صحابہؓ نے دیت کی برابری کے خلاف فتویٰ دیا ہے اگر نبی کریم کی سنت برابری دیت کی ہوتی تو صحابہ اس کی مخالفت ہرگز نہ کرتے۔

ان اکابر علماء حنفیہ کی تصریحات نے واضح کردیا کہ اکابر صحابہ کرام مسئلہ دیت میں برابری کے قائل نہیں تھے اور سنت نبوی بھی اسی طرح ہے کہ قتل خطاء کی صورت میں عورت کی دیت برابر ہوتی تو حضرت عمر اور حضرت علی جیسے اکابر صحابہ کرام سنت نبوی سے اعراض اور عدل نہیں کرسکتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ برابر دیت کی روایت کو اکابر علماء نے مجروح اور ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی برابر دیت کی روایت یا کسی امام کا قول کسی صاحب نے کہیں ذکر کیا ہے تو صحابہ کرام کے فتویٰ اور سنت نبوی کے برخلاف ہونے پر ناقابل قبول ہوگا۔

بعض دوستوں کے اجتہاد کی نوعیت

بعض حضرات کا یہ قول کرنا کہ اگر علماء نے آدھی دیت کے قول کو قبول کیا ہے تو ہم حضرت عمر اور حضرات علی اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے پوری دیت کے قول کو بطور اجتہاد قبول کرتے ہیں۔

اس کے متعلق ذیل میں وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ قتل خطاء کی صورت میں مرد کی نسبت نصف دیت کے اثبات میں ہم نے سنت نبوی ؐ، کبار صحابہ کے اقوال خصوصاً حضرت عمر اور حضرت علی کا فتویٰ اور پھر ان روایات

اقوال کی کبار علماء سے تائید و تاکید ذکر کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ نصف دیت کے اقوال اور روایات ہی قابل قبول اور لائق اعتماد ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک راجح ہیں۔

۲۔ معترض دوستوں نے اپنے اجتہاد حضرت عمر حضرت علی امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے پوری دیت کے اقوال کو قرار دیا ہے لیکن ہم نے گزشتہ سطور میں وضاحت کر دی ہے کہ پوری دیت کے یہ اقوال شاذ نادر اور متروک ہیں۔ اور کبار صحابہ حضرت عمر، حضرت علی کے فتاوی اور سنت نبوی علی صاحبہا التحیہ والتسلیم کے خلاف ہیں۔

صحیح راجح اور مقبول چیز کو ترک کر دینا اور شاذ نادر اور متروک اشیاء کو قبول کرنا ثقہ علماء کی شان کے خلاف ہے۔ اور زیغ عن الحق کرنے والوں کا طریقہ کار ہے۔

بنابریں معترض دوستوں کے اجتہاد کی بنیاد قواعد فن کے لحاظ سے غیر صحیح ہے۔ اس میں خود رائی اور خود پسندی کا مظاہرہ معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تتکافا دماءہم کی تشریح

بعض دوستوں نے اپنے مقصد کی تائید میں ایک روایت پیش کی ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلمون تتکافاء دماءھم ویسعی بذمتھم ادناھم ویرد علیھم اقصاھم وھم ید علی من سواھم الخ۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۱ تحت حدیث القصاص۔

۲۔ اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۳ تحت حدیث مذکور

اس حدیث میں وارد الفاظ (تتکافاء دماھم سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ مرد اور عورت کی دیت مساوی ہے۔

اس کے متعلق اتنی وضاحت کی جاتی ہے کہ:

۱۔ یہ روایت اپنی جگہ درست ہے اور متعدد مصنفین نے اسے تخریج کیا ہے۔ روایت ہذا کا مطلب واضح ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

كانوا لا يقتلون الرجل بالمرءة -

(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۲۲۱ تحت آیت وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس)

یعنی جاہلیت کے دور میں اگر کوئی عورت قتل ہو جاتی تو اس کے بدلے میں قاتل مرد کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ اس دور جاہلیت کی رسم تھی اسلام کے آنے کے بعد احکام اسلامیہ نے اس غلط رسم کو ختم کیا اور فرمایا کہ مسلمانوں میں مرد و زن کے خون برابر ہیں۔ یعنی عورت کے خون کو ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا بدلہ چکایا جاتا ہے اور مسلمانوں میں اگر ایک ادنیٰ شخص بھی کسی کو امان دے دے تو اس کو امان دی جائے گی نقض عہد و نقض امان نہیں کیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ حدیث مذکور میں دور جاہلیت کی ایک غلط رسم کو ختم کرنے کا مضمون ذکر کیا گیا ہے یہاں دیت خطاء کا مضمون مذکور ہی نہیں اور نہ ہی دیت کی مقدار کا تعین کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس روایت کو نصف دیت خطاء کی نفی میں پیش کرنا ہرگز درست نہیں۔

نیز اہل علم پر واضح ہے کہ آیات و احادیث کے مفاہیم بیان کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ پیش نظر و محل بحث آیت یا روایت کا ایسا مفہوم نہ بیان کیا جائے جو دوسرے نصوص سے متعارض ہو۔ اس بناء پر "المسلمون تتکافاء دماءھم" والی روایت کا ایسا مفہوم نہیں بیان کیا جائے گا جو دوسری مرفوع و موقوف روایات کے ساتھ متصادم ہو اور ان کا باہمی تدافع نظر آئے لہٰذا اس کا معنی و مفہوم یہی درست ہے کہ یہاں جاہلیت کے دور کی رسم کا رد کرنا مقصود ہے۔ ہر مسلمان کے خون کی اسلام میں قدر ہے بے قدری نہیں۔

باقی رہا دیت خطاء کا مسئلہ اور اس کی مقدار کا تعین کرنا تو یہ چیز یہاں بیان ہی نہیں کی گئی۔ اس مسئلہ کو دوسرے مقامات میں بیان فرمایا گیا جیسا کہ ہم نے سابقاً روایات درج کر دی ہیں۔

مقامِ عورت

قتل خطاء میں شرعاً عورت کی نصف دیت پر کہنا کہ یہ عورت کو جاہلیت کے دور میں

پھینک دینے کے مترادف ہے" اور اس سے اسلامی آئین کی بدنامی کا راستہ نکلے گا" یا یہ سمجھنا کہ "نصف دیت کی بناپر عورتوں کے قتل میں اضافہ ہو جائے گا" اور عورتوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے وغیرہ وغیرہ محض ظنیات بلا بنیاد مفروضے اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو الجھانے والی باتیں ہیں۔

عورت کی نصف دیت کے مجمع علیہ قانون سے اگر اسلام کی بدنامی ہوتی ہے تو پھر حدود وقصاص کا سارا نظام ہی ختم کر دیجیئے ایک آدمی چوری کی سزا میں ہاتھ کٹائے ٹنڈ منڈ بازار میں پھر رہا ہے اس سے بڑھ کر اسلام کی کیا بدنامی ہو سکتی ہے؟ ایک جوڑے نے اپنی مرضی سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے جس سے کسی دوسرے کا کوئی رائی برابر نقصان نہیں ہوا اس جوڑے کو سنگسار کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ علی ہذا القیاس اس طرح کے ڈر اور ملامتوں کو لے کر بیٹھ جائیں تو پھر سرے سے اسلام ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے مؤمنوں کی شان تو یہ ہے کہ:

لا یخافون لومۃ لائم۔

وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

دراصل دیت کا تعلق اسلام کے معاشرتی نظام سے نہیں بلکہ عقوبتی نظام سے ہے۔ نصف دیت اور پوری دیت سے مقصود کسی مرد کی تعظیم یا عورت کی تحقیر یا مرد کے مقابلے میں عورت کو (العیاذ باللہ) کمتر، گھٹیا اور ادھورا انسان نہیں بنانا۔ بلکہ اس کا مقصود تو وہی ہے جو اسلام میں دوسری چھوٹی بڑی سزاؤں سے ہے۔

جہاں تک معاشرہ میں عورت کی تعظیم وتکریم اور اس کے ہر قسم کے حقوق کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عورت کو جتنی رعایت اور جتنا بلند وارفع مقام اسلام نے دیا ہے اس کی نظیر تمام ادیان اور بزعم خویش موجودہ مہذب مغربی معاشروں میں برابر کی ملنا تو کجا اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن وسنت میں اس صنف نازک کے حقوق کی پاسداری

اور تمام معاملات میں اس کی نگہداشت اور خصوصی رعایات پر مبنی احکامات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ قرآن مجید کے تاکیدی احکام وعاشروھن بالمعروف (اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گزران کرو) فامساک بمعروف او تسریح باحسان (عورت کو دستور کے مطابق روک رکھو یا اچھے طریقہ کے موافق اس کو چھوڑ دو) اور وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔ (جو کچھ ترکہ والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں ان میں عورتوں کا بھی حصہ ہے) وغیرہ اہل علم سے مخفی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس صنف پر اپنی کرم نوازیوں کی انتہا فرما دی حقوق کی رعایت اور حسن سلوک میں اسے مقدم قرار دیا، اشیائے دنیا میں سے اسے اپنے لیے پسند فرمایا، ماں کے قدموں تلے جنت کو رکھ دیا، بیٹیوں اور بہنوں کو دوزخ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا، عورتوں کو نازک آبگینوں سے تشبیہ دی حتی کہ حجۃ الوداع جیسے اہم اور عظیم خطبہ میں بھی ان کو نہیں بھلایا۔ مشہور مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع میں جہاں آپ نے دیگر احکام ارشاد فرمائے وہاں یہ بھی فرمایا۔

فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ ولکم علیھن ان لا یوطین فرشکم احدا تکرھونہ فان فعلن ذالک فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔

(البدایہ ج ۵ ص ۱۷۰ تحت حجۃ الوداع یوم عرفۃ)

عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، کیونکہ تم نے اللہ کی امانت کے طور پر انہیں اپنے ماتحت کیا ہے اور اللہ کی اجازت سے ان کی عصمت کو حلال کیا ہے۔ ان کے اوپر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے آدمی کو نہ گھسنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں (بطور تنبیہ) مار پیٹ سکتے ہو مگر ایسی مار نہ ہو کہ ان کی ہڈی پسلی ٹوٹ جائے۔ اور تمہارے ذمہ ان عورتوں کا حق یہ ہے کہ تم (مقدور بھر) انہیں اچھا کھانا اور اچھا لباس دو۔

مذکورہ عبارت سے ملتی جلتی عبارت سیرت ابن ہشام ص ۶۰۴ تحت حجۃ الوداع میں

بھی موجود ہے۔

زندگی انسان کے لیے ایک کڑی آزمائش ہے۔ مشہور عربی مقولہ الدنیادارالمحن کے مصداق یہ دنیاوی زندگی مختلف بلاؤں اور مصائب سے عبارت ہے انسان خصوصاً مسلمان کے اوپر دین دنیا کی اور بال بچوں کی بے شمار اور طرح طرح کی ذمہ داریاں ہیں۔ اہل وعیال کی تمام تر پرورش اور ان کے جملہ اخراجات مرد کے ذمہ ہیں۔ اسلام میں عورت کی رعایت اور اس کے تحفظ حقوق کا اندازہ لگائیے کہ شریعت نے عورت کو بیشتر ذمہ داریوں سے بری قرار دیا ہے۔ بال بچوں کے خوراک لباس، علاج اور دیگر تمام اخراجات وضروریات کا اولین ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا گیا ہے۔ عورت کے ذمہ یہ نہیں لگایا کہ وہ فیکٹریوں میں جاکر مشینوں کا دھواں اور گرمی سہے۔ دفاتر میں جاکر افسران بالا کی جھڑکیاں کھائے، دھوپ میں کھڑی ہوکر محنت مزدوری کرے، سارا دن مشین کی طرح دکان پر چلتی رہے، اپنی اور اپنے بچوں کی روزی کے لیے خون پسینہ ایک کرے بلکہ اس کا اصل مقام یہ ہے کہ وہ آرام سے اور باعزت طریقے سے اپنے گھر میں مقیم رہے۔ اس کا غیور رب نہیں چاہتا کہ وہ دردر کی خاک چھانے اور اوباش وبدقماش لوگوں کی ہوس ناک نظروں کا نشانہ بنے۔

مذاکرہ

عنوان : **عورت کے قتل خطا میں دیت کا مسئلہ**

مقام : دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ہال

زیر اہتمام : مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

مورخہ : ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء

- میزبان : **سراج منیر**

- جناب پروفیسر محمد طاہر القادری
- جناب مولانا گوہر رحمٰن (مردان)
- جناب مفتی غلام سرور قادری
- جناب ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ڈپٹی اٹارنی جنرل پنجاب
- جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ و سپریم کورٹ)
- جناب مولانا عبد الرحمٰن (جامعہ اشرفیہ لاہور)
- جناب مولانا محمد حنیف ندوی
- جناب مولانا ریاض الحسن نوری
- جناب مولانا محمد صدیق ہزاروی (جامعہ نظامیہ رضویہ)
- جناب مولانا رفیق چودھری
- جناب حافظ محمد خان
- جناب مولانا سید محمد متین ہاشمی
- جناب حافظ محمد سعد اللہ
- جناب حافظ غلام حسین

و دیگر حضرات

تلاوت : حافظ محمد سعد اللہ صاحب ۔

سراج منیر صاحب نے اس کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حیثیت نسواں سیمینار کا آغاز دیت کے موضوع سے کیا جا رہا ہے ۔ جو علماء کرام پہلے سے اس موضوع پر لکھ رہے ہیں یا ان کی تحریریں آ رہی ہیں وہ بھی یہاں موجود ہیں ۔ تو سب سے پہلے میں درخواست کروں گا ۔ مولانا گوہر الرحمٰن صاحب سے کہ وہ اس موضوع کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں ۔

مولانا گوہر الرحمٰن : ادارۂ منہاج کے زیر انتظام " اسلامی معاشرے میں حیثیت نسواں " کے عنوان پر مجلس مذاکرہ کا انعقاد ایک مستحسن اور قابل تعریف اقدام ہے ۔ رسول اللہ ؐ نے بھی اجتماعی تحقیق کی ہدایت فرمائی ہے ابو بکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ کی پالیسی بھی یہی تھی کہ تصفیہ طلب امور کے فیصلے کے لیے ماہرین کی مجلس مذاکرہ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور امام ابو حنیفہ ؒ نے بھی تدوین فقہ کے لیے مجلس علم و تحقیق کا انتظام کیا تھا ۔

میں مولانا محمد متین ہاشمی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اہل علم کی اس مجلس میں مجھے بھی شرکت کرنے کی دعوت دی اور دیت کے مسئلے پر اپنی معلومات پیش کرنے کا موقع دیا ۔ ہم سب امت مسلمہ کے افراد ہیں گروہ بندی اور فرقہ بندی سے آزاد ہو کر حق پسندی اور اخلاص کے ساتھ جب ہم غور و فکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارا راستہ دکھائے گا اور حق بات کو قبول کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے گا ہمارا مقصد کسی کی وکالت کرنا نہیں ہے اور نہ ہم مروجہ مناظرہ بازی کے لیے جمع ہوئے ہیں بلکہ ہم حق کی تلاش میں یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ آمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین ۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد میں اسلامی معاشرے میں حیثیت نسواں سے متعلق چند بنیادی اصول کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔

۱ ۔ جہاں تک انسانی کرامت و شرافت کا تعلق ہے تو اس میں مرد اور عورت ، آزاد اور غلام یہاں تک کہ مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان بھی کوئی امتیاز نہیں ہے بنیادی انسانی حقوق سب کو یکساں طور پر حاصل ہیں اور اس سلسلے میں مرد اور عورت ، آزاد اور

غلام، مالدار اور نادار، چھوٹے اور بڑے، تعلیم یافتہ اور ان پڑھ اور حاکم و محکوم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے سب کو یہ حقوق حاصل ہیں۔ عورت کے حقوق اس کے مال، جان آبرو اور عصمت کے تحفظ کے سلسلے میں اسلامی احکام و قوانین کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تہذیب نہیں کر سکتی عورت کے حقوق کی تفصیلات اور جزئیات قرآن و سنت اور فقہ کی کتابوں میں بیان کر دی گئی ہیں۔

۲۔ ایمان و تقویٰ اور اخلاق و کردار میں اگر عورت کسی مرد سے آگے ہو گی تو اس کی حیثیت بھی مرد سے بلند تر ہو گی۔ ازواج رسولؐ بنات رسول اور صحابیات کی حیثیت دور جدید کے کروڑوں انسانوں سے بھی بلند تر ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ایمان، عمل صالح اور کردار میں ہم سب سے آگے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں فضیلت کا معیار رنگ و نسل بھی نہیں ہے اور جنس بھی نہیں ہے بلکہ تقوےٰ ہے جو بھی اس میدان میں آگے ہو گا وہ فضیلت اور حیثیت میں بھی اونچا ہو گا۔

۳۔ انسانی کرامت اور ایمانی شرافت میں برابر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں تفاوت اور تنوع رکھا ہے برابری نہیں۔ علامہ فرید وجدی نے دائرۃ المعارف القرن العشرین کی آٹھویں جلد میں عورت پر تفصیلی مقالہ لکھا ہے جس میں یورپ ہی کے ماہرین کی آراء کی روشنی میں سائنٹفک استدلال کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ عورت کی ذہنی اور جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتیں مرد سے بالعموم کمتر ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر فرید وجدیؒ نے المراۃ المومنہ کے نام سے مستقل کتاب بھی لکھی ہے جس کا اردو میں ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد نے کیا ہے اور مسلمان عورت کے نام سے پاکستان میں شائع بھی ہوا ہے۔ نیویارک کے جریدے نیوزویک کے تازہ ترین شمارے (ستمبر ۱۹۸۴ء) میں بھی کہا گیا ہے کہ عورت کی قوت کار مردوں سے کم ہے اور اس کی قوت کار میں زوال کا عمل بھی مردوں کے مقابلے جلدی شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے یہی بات آج سے چودہ سو سال پہلے ہم کو بتا دی تھی کہ مرد کو اسی لیے قوام بنایا گیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر صلاحیتوں اور ذمہ داریوں میں فوقیت حاصل ہے اور رسول اللہ کا ارشاد بھی صحیح بخاری میں نقل ہوا ہے کہ عورت کی عقلی اور ذہنی صلاحیتیں مردوں سے کم ہیں۔ قرآن

سنت کی اس بات کو اب جدید سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے۔ صلاحیتوں کے اس فرق کی وجہ سے اسلام میں تقسیم کار کے اصول پر عورت کو سیاست البیت یعنی گھر کو سنبھالنے اور بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں اور بیرون خانہ ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر نہیں ڈالا گیا ظاہر ہے کہ بوجھ کم کرنا اور تقسیم کار حق تلفی نہیں ہے بلکہ ذمہ داریوں کا تنوع ہے اسلام کا عورت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ عورت پر سیاستہ البیت کے ساتھ سربراہِ مملکت، گورنر، کمانڈر انچیف اور مملکت کا نظم ونسق چلانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ورنہ دونوں کو ایک ساتھ نبھانا مشکل ہو جاتا مغربی معاشرے کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ وہاں پر خاندانی اور گھر کا نظام تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام کا یہ بھی احسان ہے کہ عورت پر گھر کے مالی اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی۔ اگرچہ شرعی پردے کی پابندی کرتے ہوئے کام کرنے اور مالی اخراجات پورے کرنے میں مردوں کا بوجھ کم کرنے پر پابندی بھی نہیں ہے لیکن یہ اس کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔

۴۔ علم دین اور دیگر علوم وفنون کے حصول کے بارے میں بھی مرد اور عورت کے درمیان کوئی بنیادی امتیاز اور فرق نہیں ہے۔ بوقت ضرورت شرعی پردے کی پابندی کرتے ہوئے عورت مرد سے علم حاصل کر سکتی ہے اور مرد عورت سے علم حاصل کر سکتا ہے لیکن اختلاط مرد وزن اور مخلوط نظامِ تعلیم کی اسلامی معاشرے میں اجازت نہیں دی جا سکتی صحیح بخاری میں ۳۳ صحابیات کی روایات نقل کی گئی ہیں ام المومنین عائشہ تو بہت بڑی فقیہہ تھیں ان سے ۲۲۱۰ روایات نقل ہوئی ہیں جن میں سے صحیح بخاری میں ۲۲۸ اور صحیح مسلم میں ۲۳۸ روایات آئی ہیں۔ عورت کا اصل دائرہ عمل چونکہ گھر ہے اس لیے گھریلو معاملات اور گھر کا انتظام چلانے کے سلسلے میں اسے خصوصی علم وتجربہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ جہاد اور قتال کی اصل ذمہ داری تو مردوں پر ڈالی گئی ہے لیکن زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے پانی پلانے اور دوسری ضروری خدمات انجام دینے کے لیے عورتیں محاذ جنگ کو جا سکتی ہیں اگر دشمن کا دباؤ شدید اور نفیر عام ہو چکا ہو تو ایسی ہنگامی حالت میں عورتوں پر لڑنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد میں عورتوں کا محاذ جنگ میں خدمات انجام دینا ثابت

ہے اپنے تحفظ کے لیئے بھی اور بوقت ضرورت لڑنے یا دوسری جنگی خدمات انجام دینے کے لیے بھی عورتوں کو فوجی اور جنگی تربیت دینا بھی ضروری ہے مگر اس کو ضرورت کی حد تک ہی محدود رکھنا چاہیے اور پردے کے احکام کی پابندی کرنا بھی ضروری ہے۔

۶۔ پردے کی پابندی کے ساتھ عورت ملازمت بھی کر سکتی ہے سماجی خدمات بھی انجام دے سکتی ہے اور تعلیمی و تبلیغی فرائض بھی انجام دے سکتی ہے لیکن مخلوط مجالس اور مخلوط دفاتر میں کام کرنے کی اجازت اسلام نے نہیں دی۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری گھر کا نظام چلانا ہے اور اس کی کفالت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے اس لیے بیرون خانہ کام بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی کرنے ہوں گے۔

۷۔ عورتیں گھریلو اور ملکی معاملات میں یعنی سیاستہ البیت اور سیاستہ المدن دونوں میں رائے دے سکتی ہیں زبانی بھی اور تحریری بھی اور مجالس شوریٰ کی ممبر بھی بن سکتی ہیں لیکن اجلاس میں پردے کے بغیر نہیں بیٹھ سکتیں بے پردگی اور غیر اخلاقی روش کی وجہ سے اس کی ممبر شپ ختم بھی کی جا سکتی ہے اہلیت کی دوسری شرائط تو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ضروری ہیں ارکان شوریٰ کی صفات اور عورتوں کے رکن شوریٰ ہو سکنے کے دلائل کی تفصیلات میں نے اپنی کتاب "اسلامی سیاست" میں بیان کر دیئے ہیں۔

۸۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے لیکن ائمہ اربعہ اور اسلاف رحمہم اللہ نے اجتہاد کے جو اصول مقرر کئے ہیں ان کو نظر انداز کر کے اجتہاد آرائیاں کرنا اجتہاد نہیں ہے بلکہ تجدد ہے۔ تجدد کا دروازہ اگر کھول دیا جائے تو اس کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اجتماعی فیصلوں کے خلاف ذاتی آراء پیش کرنا مریض ذہنیت کی علامت ہے عقل سلیم اور قلب منیب کا تقاضا نہیں ہے۔

۹۔ مرد اور عورت، آزاد اور غلام، مسلمان اور غیر مسلم، حاکم اور محکوم اور مالدار اور غریب کا خون برابر ہے اس لیے قرآن و سنت کی نصوص میں عمد کی سزا یعنی قصاص اور بصورت مصالحت بدل صلح میں کوئی فرق نہیں ہے اور بدل صلح قاتل اور جانی کو ادا کرنا ہوتا ہے اس کے عاقلہ کو نہیں۔

۱۰۔ جروح وشجات (زخموں) کی دیت مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ۱/۳ تک برابر ہے اور اس کے بعد عورت کے زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔ حنفیہ اور شافعیہؒ کے نزدیک عورت کے زخموں کی دیت بھی قلیل وکثیر دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اس بارے میں صحابہ اور تابعین کے نقطہائے نظر میں بھی اختلاف موجود ہے۔ زخموں کی دیت کا مسئلہ چونکہ اختلافی ہے اجماعی نہیں ہے اس لیے اگر زخموں کی دیت ۱/۳ تک مساوی مقرر کر دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگرچہ میرے نزدیک حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک واضح ہے۔ ان کلمات عشرہ کے بعد اب میں عورت کے قتل خطاء کی دیت پر اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔ اس موضوع پر میرے مضامین ترجمان القرآن شمارہ جون اور ستمبر ۱۹۸۴ء اور نوائے وقت لاہور شمارہ ۲۷ ستمبر اور ۲ اکتوبر میں شائع ہو چکے ہیں اور دیگر قارئین کی طرح شرکاء مذاکرہ نے بھی پڑھ لئے ہوں گے اس لیے تفصیلات کی بجائے میں دلائل کا خلاصہ پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں میرے خیال میں اصل نکتہ یہ ہے کہ عورت کی دیت کے مساوی ہونے یعنی ۱۰۰ اونٹ یا دس ہزار درہم ہونے کے بارے میں کسی صحابی، تابعی تبع تابعی یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی فقیہ اور محدث کا قول موجود نہیں ہے ہمارے مطالبے کے باوجود کسی نے اب تک کوئی قول . . . . پیش نہیں کیا ہے تو کیا یہ اجماع نہیں ہے؟ اگر اجماع ہے تو اجماعی مسائل کو مذاکرات کا موضوع بنانا اور ایک یا دو افراد کی ذاتی آراء کی وجہ سے ایسے اجماعی مسئلے کو قوم کے سامنے اختلافی مسئلے کی حیثیت سے پیش کرنا کیا مناسب ہے؟ بہرحال میں اپنے دلائل کا خلاصہ پیش کر دیتا ہوں۔

قصاص نفس و جروح

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ

العبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ ط فمن عفی لہ من اخیہ شی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ط ذالک تخفیف من ربکم ورحمۃ ط فمن اعتدیٰ بعد ذالک فلہ عذاب الیم ۔ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون ۔ (البقرہ ۱۷۸-۱۷۹ پارہ دوم)

۲۔ وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص ط فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الظالمون (المائدہ ۴۵ پارہ ۶)

۳۔ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل ط انہ کان منصوراً ۔

(بنی اسرائیل ۳۳ پارہ ۱۵)

- ان آیات اور ان کی تشریح میں مروی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے ہر شہری کے قتل عمد کا بدلہ دلانا اور قصاص لینا فرض ہے خواہ مقتول مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا مجنون، مسلمان ہو یا غیر مسلم البتہ قتل عمد قابل راضی نامہ جرم ہے مقتول کے قانونی وارث اگر بدل صلح لے کر قصاص معاف کر دیں یا بغیر بدل صلح کے ویسے معاف کر دیں تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے البتہ ۔
- امام مالکؒ کے نزدیک وارثوں کی معافی اور راضی نامے کے باوجود تعزیراً وزجراً اور جرائم کے انسداد کے لیے عدالت قاتل کو سو کوڑے اور ایک سال قید کی سزا دے گی امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک راضی نامے کے بعد دوسری سزا دینا ضروری نہیں ہے (لیکن ان بزرگوں نے ممنوع بھی نہیں قرار دیا ۔)

(المغنی صفحہ ۳۵۵ جلد ۸ ۔ بدایۃ المجتہد صفحہ ۴۰۰ جلد ۲ المحلی صفحہ ۴۶۲ جلد ۱۰ المہذب صفحہ ۲۰)

- ڈاکوؤں نے ڈکیتی کے دوران جو قتل کیا ہو اس کا قصاص بہر صورت لازم ہے اگرچہ مقتول کے وارث معاف کر دیں اس لیے کہ یہ حد ہے اور قومی جرم ہے صرف قتل نہیں ہے بلکہ فساد فی الارض ہے ۔

• ـــ قصاص الاطراف یعنی جروح کے قصاص میں جمہور فقہاء ہی کا مسلک صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں بھی مرد اور عورت کا فرق نہیں ہے بلکہ قتل نفس کی طرح جروح کے قصاص میں بھی برابری ہے۔ حنفیہ کا مسلک قصاص الاطراف کے مسئلے میں درست معلوم نہیں ہوتا اگر درست بھی ہو پھر بھی حالات کے تقاضے کے مطابق جمہور کے مسلک کے مطابق قصاص الاطراف میں بھی برابری کا قانون بنایا جا سکتا ہے اس لیے کہ مسئلہ اختلافی ہے اجماعی نہیں ہے ـــ

دیت نفس و جروح

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمناً الا خطأً ومن قتل مؤمناً خطأً فتحریر رقبةٍ مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وهو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة ط وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله وتحریر رقبةٍ مؤمنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله ط وکان الله علیماً حکیماً۔ (النساء ۹۲ پارہ ۵۔)

اس آیت میں دیت نفس کا اصولی قانون بیان کر دیا گیا ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ مؤمن اور معاہد (مستامن اور ذمی کا بھی یہی حکم ہے) کے قتل خطا کی دیت مقتول کے وارثوں کو دینی لازم ہے الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ دیت کے واجب الاداء ہونے میں آیت قرآنی نے مرد اور عورت، آزاد اور غلام اور مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا اور وجوب دیت کے بارے میں یہ آیت عام ہے جس میں کسی حدیث سے بھی تخصیص ثابت نہیں ہے اور فقہاء اسلام نے بھی اس کے عموم میں کوئی تخصیص نہیں کی۔ دوسرا حکم اس آیت میں یہ ہے کہ قاتل نے جو بے احتیاطی اور بے پروائی کی ہے اس کے کفارے میں ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا یا دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے کفارے کا یہ حکم بھی عام ہے عورت کے قتل خطاء پر بھی یہ کفارہ ادا کرنا ہوگا اور مرد کے قتل خطاء پر بھی یہی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

دیت کی تفصیلات اور جزئیات احادیث و آثار میں بیان ہوئی ہیں اور فقہاء اسلام نے ان کی روشنی میں یہ تفصیلات و جزئیات مرتب اور مدون کر دی ہیں فجزاہم اللہ اس آیت میں نہ یہ بیان ہوا ہے کہ دیت کون ادا کرے گا اور نہ یہ بیان ہوا ہے کہ دیت کی نوعیت کیا ہوگی اور مقدار کتنی ہوگی اور یہ دیت کتنی مدت میں ادا کرنی پڑے گی۔ ان امور کے بارے میں آیت مجمل ہے عام یا مطلق نہیں ہے اور تفسیر قرآن کا مسلمہ طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن کی روشنی میں کی جائے پھر احادیث رسول کی روشنی میں اور پھر آثار صحابہ کی روشنی میں (الاتقان وغیرہ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں:

وھی مجملۃ فی المقدار ومن یجب علیہ بینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر مظہری صفحہ ۳۰۵ جلد ۲)

احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ یہ دیت قاتل کے عاقلہ ادا کریں گے، قسطوں میں ۳ یا ۴ سال میں ادا کریں گے۔ مرد کی دیت ۱۰۰ اونٹ یا ۱۰ ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہوگی اور عورت کی دیت اس سے نصف ہوگی اور اسی طرح کی دیگر جزئی تفصیلات بھی احادیث و آثار سے معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔" یہ حدیث عبادہ بن نسی سے دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے لیکن اس میں ضعف ہے۔ (سنن کبریٰ از بیہقی صفحہ ۹۵ جلد ۸)

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے دوسری سند کو ضعیف کہا ہے جو سنن کبریٰ باب دیۃ السمع صفحہ ۸۵ جلد ۸ اس طرح نقل ہوا ہے۔ رشدین بن سعد عن عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی عن عتبہ بن حمید عن عبادہ بن نسی عن ابن غنم عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عورت کی دیت کے بارے میں بھی دوسری سند یہی ہوگی جو رشدین اور افریقی کی وجہ سے ضعیف ہے ان دونوں کو بیہقی نے سنن میں دوسرے مقامات پر ضعیف کہا ہے معاذ بن جبل کی روایت کے جو راوی بیہقی نے ذکر کئے ہیں وہ سب کے سب مقبول ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ حفص بن عبد اللہ بن راشد نیشاپوری متوفی ۲۰۹ھ

ذہبی نے اس کے نام پر بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کا نشان لگایا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ ان کے راویوں میں سے ہیں اس کے ثقہ ہونے کی یہی بڑی دلیل ہے نیشاپور کے قاضی اور شیخ الاثر تھے ابراہیم بن طہمان کی صحبت میں رہے تھے نسائی فرماتے ہیں اس میں کوئی عیب نہیں ہے ۲۰ سال تک قاضی رہے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ از شمس الدین ذہبی صفحہ ۳۲۸ جلد ۱)

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ صدوق یعنی راستباز تھے۔ (تقریب التہذیب صفحہ ۷۸)

۲۔ ابراہیم بن طہمان الامام الحافظ ابوسعید الھروی النیشاپوری متوفی ۱۶۳ھ۔

قال اسحق بن راھویۃ کان صحیح الحدیث (اسحٰق بن راہویہ -(شیخ البخاری) فرماتے ہیں یہ صحیح حدیثیں نقل کرنے والے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ صفحہ ۲۱۳ جلد ۱)

یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور یہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

ابراہیم بن طہمان، ابواسحٰق سبیعی، یحیٰی بن سعید انصاری وغیرہ کے شاگرد اور عبداللہ بن مبارک، امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے استاد تھے۔ (تاریخ بغداد صفحہ ۱۰۵ جلد ۶)

یحیٰی بن اکثم، عثمان بن سعیدؒ، احمد بن حنبلؒ، ابوحاتم رازی، یحیٰی بن معینؒ، اسحٰق بن ابراہیم حنظلی اور صالح بن محمد نے اس کی توثیق کی ہے۔

(تاریخ بغداد صفحہ ۱۰۶ جلد ۶ صفحہ ۱۰۸ جلد ۶ صفحہ ۱۰۹ جلد ۶ صفحہ ۱۱۰ جلد ۶)

۳۔ بکر بن خنیسؒ: یہ اگرچہ "متکلم فیہ" ہے یعنی بعض حضرات نے اس پر جرح کی ہے لیکن امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اس سے روایات نقل کی ہیں جو اس کے قابل قبول ہونے کی دلیل ہے

خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

یہ معروف کرخیؒ، صالح بن بیان الانباریؒ اور آدم بن ابی ایاسؒ کے شاگرد تھے۔ یحیٰی بن معین فرماتے ہیں، نیک اور صالح شیخ تھے اس میں کوئی عیب نہیں ہے الا یہ کہ یہ ضعیف راویوں کی روایت بھی نقل کر لیتے تھے ابن عمار فرماتے ہیں: یہ متروک نہیں ہے اور یہ غازی شیخ تھے۔ اس کی رائے اور فکر میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ (تاریخ بغداد صفحہ ۸۷ جلد ۷، صفحہ ۸۹ جلد ۷)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کوفے کے عبادت گذار شخص تھے صدوق تھے لیکن اس سے غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں ابن حبان نے اس کے متعلق افراط سے کام لیا ہے (تقریب صفحہ ۴۷) ضعفاء سے روایات نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی ساری روایات ضعیف ہوں دیت کی مذکورہ روایت اس نے عبادہ بن نسی سے نقل کی ہے جو ثقہ تھے۔

۴- عبادہ بن نسی کندی۔

قرطبہ کے قاضی تھے اور ثقہ تھے اور فاضل شخص تھے۔ (تہذیب التہذیب فی الکنی نمبر ۱۷۲۸)

۵- عبدالرحمٰن بن غنم الاشعریؒ متوفی ۷۸ھ۔

اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے العجلیؒ نے اسے ثقہ اور کبار تابعین میں شمار کیا ہے۔

(تقریب صفحہ ۲۰۸)

اس حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تلقی بالقبول اور تعامل امت اس کی تائید کرتا ہے قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث پر اسلاف اور ائمہ مجتہدین نے استدلال کیا ہو اور اس کے مطابق فتویٰ دیا ہو وہ سنداً ضعیف ہونے کے باوجود مقبول ہوتی ہے۔

(احکام القرآن از جصاص صفحہ ۳۸۶)

(قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۴۳۹)

"الاجوبۃ الفاضلۃ" از مولانا عبدالحیؒ

یہی وجہ ہے کہ بیہقی نے فیہ ضُعفٌ کہنے کے باوجود فتویٰ اسی کے مطابق دیا ہے۔

۲- عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: رسول اللہ نے فرمایا ہے "عورت کی دیت ثلث تک برابر ہے" (زخموں کی دیت ثلث کے بعد برابر نہیں ہے۔)

(سنن نسائی کتاب القود باب عقل المرأۃ؛ سنن دارقطنی کتاب الحدود والدیات)

(جامع الاصول کتاب الدیات؛ مصنف عبدالرزاق صفحہ ۳۹۶ جلد ۹ کنزالعمال صفحہ ۵۳ تا ۱۵)

(منتقی الاخبار مع نیل الاوطار باب دیۃ المراۃ؛ بلوغ المرام از ابن حجر کتاب الدیات)

(وقال ابن حجر صححہ ابن خزیمہ وصححہ صاحب سبل السلام: بلوغ المرام از ابن حجر کتاب الدیات)

اس کے سند میں اسمٰعیل بن عیاش آیا ہے جو ابن جریج سے نقل کرتے ہیں بعض ائمہ حدیث نے

کہا ہے اسمعیل بن عیاش جب حجازی راویوں سے کوئی روایت نقل کرے تو وہ قابل نظر ہوتی ہے یعنی اس کو بغیر تحقیق کے قبول نہ کیا جائے لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ یہ حجازیوں سے جو روایت بھی کرے وہ رد کر دی جائے گی۔ اس لیے کہ اسمعیل بن عیاش حفاظ الحدیث اور ثقات میں سے تھے امام ذہبی فرماتے ہیں۔

اسمعیل بن عیاشؒ (ولادت سنہ ۱۰۲ھ یا سنہ ۱۰۶ھ وفات سنہ ۱۸۱ھ یا سنہ ۱۸۲ھ) ابوعتبہ عنسی امام تھے کبار محدثین میں سے تھے (احد الاعلام) یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے بڑا حافظ نہ شامیوں میں دیکھا ہے اور نہ عراقیوں میں اس کے مقابلے میں سفیان ثوری کو میں کچھ نہیں سمجھتا امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسمعیل بن عیاش جب غیر شامیوں سے کوئی روایت نقل کرے تو وہ محل نظر ہوتی ہے۔ امام نسائی نے اس کو ضعیف کہنے کے باوجود اس کی روایت پر استدلال کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۵۳ - ۲۵۴)

یہ اسمعیل بن عیاش سنن اربعہ یعنی ترمذیؒ، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہؒ کے رُوات میں سے ہیں۔ نسائی نے اس کی مذکورہ روایت ابن جریجؒ سے نقل کی ہے جو حجازی ہے اور اس پر استدلال بھی کیا ہے ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے ابن حجر نے بھی ابن خزیمہ کی تصحیح نقل فرمائی ہے اور تردید نہیں کی اور سبل السلام میں بھی اس روایت کی تصحیح نقل ہوئی ہے۔ امام مالکؒ اور امام محمدؒ کا مسلک بھی اس حدیث کے مطابق ہے کہ زخموں کی دیت ⅓ تک برابر ہے اور اس کے بعد عورت کی دیت نصف ہے۔ حنفیہ نے اگرچہ اس کی تضعیف کی ہے لیکن یہ تضعیف دیت کی برابری ثابت کرنے کے لیے نہیں کی گئی بلکہ قتل خطاء اور جروح دونوں میں عورت کی دیت کے نصف ہونے کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے اسمعیل بن عیاش کے حالات تفصیل کے ساتھ ۸ صفحات پر بیان کر فرمائے ہیں۔ (تاریخ بغداد صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۸ جلد ۶)

۳ - عمرو بن حزم کے مکتوب نبوی میں عورت کی دیت کے نصف ہونے کا ذکر اگرچہ کتب حدیث میں نظر سے نہیں گزرا اور ابن حجر نے بھی تلخیص میں لکھا ہے کہ اس مکتوب طویل

میں یہ لفظ موجود نہیں ہے لیکن ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں اور الرافعی الکبیر نے اس کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی ماخذ اور سند ان دو بزرگوں کی نظروں سے گزری ہوگی لیکن میرا اصل استدلال اس روایت پر نہیں ہے صرف تائیداً اور استشہاداً نقل کی گئی ہے۔ ابن علیہ اور اصم کا قول تو ابن قدامہؒ نے نقل کیا ہے اس نقل پر بعض حضرات اعتماد کرتے ہیں تو عمرو بن حزم کے مکتوب کے سلسلے میں کیوں اعتماد نہیں کرتے؟

۴۔ امام محمد ابوحنیفہؒ سے وہ حمادؒ سے وہ ابراہیم نخعیؒ سے اور وہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں:

عقل المرأة على النصف من عقل الرجل في النفس و فيما دونها۔

"عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے قتل خطاء اور زخموں دونوں میں۔"

۵۔ امام محمد محمد بن ابان قرشی وہ حماد سے وہ ابراہیم نخعی اور وہ حضرت عمر اور علی دونوں سے نقل کرتے ہیں کہ عورت کی دیت نفس اور زخموں دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔

(کتاب الحجۃ از امام محمد صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۷ و صفحہ ۲۸۴ جلد ۴ و سنن کبریٰ صفحہ ۹۶ جلد ۸ از بیہقی)

۶۔ امام شعبی حضرت علی سے نقل کرتے ہیں۔

دية المرأة على النصف من دية الرجل في القليل والكثير۔

(سنن کبریٰ صفحہ ۹۶ جلد ۸)

"عورت کی دیت قلیل و کثیر دونوں میں مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ یہ روایات ثابت نہیں ہیں اس لیے کہ ابراہیم نخعیؒ اور امام شعبیؒ دونوں کی ملاقات اور سماع حدیث حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے یہ بات علم حدیث کے قواعد کے خلاف ہے۔

امام ابوعمرو عامر بن شراحیل الشعبی۔

(ولادت ۱۷ھ یا ۲۱ھ وفات ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ)

امام، حافظ، فقیہ، ثبت اور متقن محدث تھے امام عجلی فرماتے ہیں کہ شعبی کے مرسل حدیث بھی صحیح ہوتی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۷۹ و ۸۰ جلد ۱)

(تہذیب التہذیب صفحہ ۶۷ جلد ۵)

حضرت عمرؓ سے تو اس کی روایت مرسل ہی معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت علیؓ سے اس کی روایت ثابت ہے صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم المحصن میں شعبی کی روایت یحدث عن علیؓ کے لفظ کے ساتھ آئی ہے۔ اور ابراہیم نخعیؒ کی روایت اگرچہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے لیکن یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ مراسیل النخعی صحیحۃ یعنی ابراہیم نخعی کی مرسل روایات بھی اس کی ہوتی ہیں بلکہ ابن عبدالبر وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ابراہیم نخعی کی مراسیل اس کی مسانید سے بھی قوی تر ہوتی ہیں؛

(التمہید از ابن عبدالبرؒ صفحہ ۳۰ جلد ا وصفحہ ۳۸ جلد ا، شرح معانی الآثار از طحاوی صفحہ ۲۳۳ جلد ا)

(سنن کبریٰ از بیہقی صفحہ ۱۴۸ جلد ا، زاد المعاد از ابن قیمؒ صفحہ ۲۶۵ جلد ۵ بحث عدت الامۃ)

(نصب الرایہ از زیلعی صفحہ ۵۲ جلد ا؛ تدریب الراوی از سیوطی صفحہ ۱۲۴)

۷۔ ابن شہاب زہریؒ، مکحول اور عطاءؒ سے مروی ہے کہ عمر فاروق نے ۱۰۰ اونٹ کی قیمت شہری لوگوں پر ایک ہزار دینار مقرر کی تھی یا ۱۲ ہزار درہم اور آزاد مسلمان عورت کی دیت شہری علاقوں میں رہنے والوں پر ۵۰۰ دینار یا ۶ ہزار درہم مقرر کئے تھے اور اگر قاتل دیہات کا رہنے والا ہوتا تو عورت کی دیت ۵۰ اونٹ مقرر کی تھی۔"

(کتاب الام از امام شافعی صفحہ ۱۰۲ جلد ۶)
(سنن کبریٰ از بیہقیؒ صفحہ ۹۵ جلد ۸)

ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ زہری متوفی ۱۲۴ھ نے ابن عمرؓ، سہل بن سعدؓ، انس بن مالکؓ، محمود بن ربیع، ابوامامہ بن سہل اور اس طبقے کے صغار صحابہؓ اور کبار تابعینؒ سے روایات نقل کرتے ہیں، ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اس سے ۲۲۰۰ احادیث مروی ہیں جن میں سے نصف مسند ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا باقی نہیں رہا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں زہری کی نظیر اب دنیا میں نہیں مل سکتی ایوب سختیانی فرماتے ہیں اس سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ امام زہری صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۰۷۔۱۰۹ جلد ا)

مکحولؒ متوفی ۱۱۳ھ سنن اربعہ کے راویوں میں سے ہیں شام کے عالم، فقیہ اور حافظ تھے

تابعی تھے ابو امامہ باہلیؓ، واثلہ بن الاسقع، انس بن مالک اور محمود بن ربیع سے روایات نقل کرتے تھے۔ (تذکرہ صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۸ جلد ۱)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اہل مکہ کے مفتی اور محدث تھے اور عظیم راہنما تھے ——— المقدوۃ العلم ——— عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابو سعید الخدریؓ، ام سلمہؓ، سے احادیث نقل کرتے تھے اور اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور ابن جریج جیسے ائمہ عطاء بن ابی رباح کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ (تذکرہ صفحہ ۹۸ جلد ۱)

ان تین بڑے اور ممتاز تابعینؒ نے حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل فرمایا ہے ان کی ملاقات اگرچہ عمر فاروق سے نہیں ہوئی تھی لیکن ثقہ تابعین اور تبع تابعین کی مرسل روایات بھی حجت ہوتی ہیں ابن شہاب تو دور رسول اور دور خلافت راشدہ کے سنن سے اچھی طرح واقف تھے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمدؒ اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راویوں کی مراسیل حجت ہوتی ہیں۔

(الکفایہ از خطیب بغدادی صفحہ ۳۸۴۔ اصول بزدوی صفحہ ۱۷۱)

(الاحکام از آمدیؒ صفحہ ۱۷۷ تا ۱۸۰ ج ۲۔ التمہید از ابن عبدالبر صفحہ ۳۰ جلد ۱)

(علوم الحدیث از ابن صلاح صفحہ ۴۹ تا ۵۰)

۸۔ امام شعبیؒ، زید بن ثابت سے نقل فرماتے ہیں کہ "عورتوں کے زخموں کی دیت ۱/۳ تک مردوں کی دیت کے برابر ہے اور اس سے زائد ہو تو مردوں کی دیت سے نصف ہے۔"

۹۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ "دانت اور موضحہ کی دیت تو برابر ہے اور اس سے زائد ہو تو نصف ہے۔" (سنن کبریٰ صفحہ ۹۶ جلد ۸)

(۱۰۔۱۱۔۱۲) ابن شہاب زہری، عروہ بن زبیرؒ دونوں سعید بن مسیبؒ کی اس رائے سے متفق تھے کہ ۱/۳ تک عورت اور مرد کی دیت برابر ہے اور اس کے بعد عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔

(موطا امام مالکؒ مع تنویر الحوالک باب دیت المرأۃ صفحہ ۱۸۳ جلد ۲)

(۱۳۔۱۴۔۱۵) عورت کی دیت کے نصف ہونے کا قول عثمانؓ، ابن عمرؓ، اور ابن عباسؓ سے

بھی منقول ہے۔" (رافعی کبیر مع تلخیص ابن حجر صفحہ ۲۴ جلد ۴)

اجماع

مذکورہ احادیث اور آثار کے خلاف باوجود مطالبے کے کسی نے بھی کوئی حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی یا قول تبع تابعی نقل نہیں کیا چنانچہ انہیں دلائل شرعیہ کی بنیاد پر ائمہ اربعہ، فقہ جعفریہ اور فقہ ظاہریہ سب کا اجماع ہے کہ عورت کے قتل خطا کی دیت مرد کے قتل خطاء سے نصف ہے البتہ زخموں کی دیت کے نصف ہونے پر اجماع نہیں ہے یہ اجماع فقہاء کی کتابوں میں تسلسل کے ساتھ نقل ہوتا رہا ہے اختصار کے ساتھ چند حوالے ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں مجھے قدیم اور جدید علماء میں سے کوئی بھی معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی دیت کے نصف ہونے سے اختلاف کیا ہو جو ۵۰ اونٹ ہے اسی طرح زخموں کی دیت بھی نصف ہے۔ (کتاب الام طبع بیروت ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۰۶ جلد ۶)

۲۔ امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:۔ جن لوگوں کی بات کا اعتبار ہے وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کی دیت نصف ہے۔ (تفسیر طبری صفحہ ۱۳۷ جلد ۴)

۳۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں: اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کے نفس کا بدل مرد کے نفس کے بدل سے نصف ہے۔ (المبسوط صفحہ ۷۹ جلد ۲۶)

۴۔ ابن جوزی فرماتے ہیں: مسلمان عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔"

(زاد المسیر صفحہ ۱۶۴ جلد ۲)

۵۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔

(تفسیر قرطبی صفحہ ۳۲۵ جلد ۵)

۶۔ ابن رشد مالکی فرماتے ہیں: اہل علم متفق ہیں کہ عورت کے قتل خطا کی دیت نصف ہے۔

(بدایۃ المجتہد صفحہ ۳۱۵ جلد ۲)

۷۔ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: ابن المنذر اور ابن عبد البر نے کہا ہے کہ "اہل علم کا اجماع

ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے۔" (المغنی صفحہ ۴۰۲ جلد ۸)

۸۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: عورت کی دیت نصف ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔
(بدائع الصنائع صفحہ ۲۵۴ جلد ۷)

۹۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: شریعت نے یہ بات طے کر دی ہے کہ شہادت میراث اور دیت میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوتی ہیں۔"
(زاد المعاد صفحہ ۱۳ جلد ۲ باب ہدیہ فی الذبائح)
(فی اعلام الموقعین نحوہ صفحہ ۴۶ جلد ۳ تا ۴)

۱۰۔ علامہ نظام الدین قمی فرماتے ہیں: عورت کی دیت معتبر صحابہ کے اجماع کی وجہ سے مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ تفسیر طبری صفحہ ۱۳۷ جلد ۴)

۱۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔
(تفسیر مظہری صفحہ ۳۷۵ جلد ۲)

۱۲۔ قاضی شوکانی نے عورت کے قتل خطاء کی دیت کے نصف ہونے کو مجمعٌ علیہ کہا ہے۔
(نیل الاوطار صفحہ ۲۲۷ جلد ۷)

۱۳۔ عبدالقادر عودہ شہید فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ قتل کی صورت میں عورت کی دیت نصف ہوگی۔ (التشریع الجنائی صفحہ ۶۶۹ جلد ۱)

۱۴۔ علامہ سید سابق نے بھی عورت کی دیت کے نصف ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔
(فقہ السنہ صفحہ ۴۷۵-۴۷۶ جلد ۲)

۱۵۔ علامہ عبدالرحمان الجزائری نے بھی ائمہ اربعہ کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ عورت اور خنثیٰ مشکل کی دیت نصف ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۳۷۰ جلد ۵)

اس بارے میں مزید حوالے بھی پیش کیا جا سکتے ہیں لیکن حق پسند شخص کے لیے درج بالا حوالے بھی کافی ہیں۔ احادیث رسول، آثار قدیمہ، سنت خلفاء راشدین اور چودہ سو سال تعامل امت بھی اگر حجت نہیں ہے تو پھر بتایا جائے کہ شرعی دلائل اور کیا ہو سکتے ہیں۔ آیت قرآنی میں وجوبِ دیت کا حکم ہے جس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں مقدار دیت کا ذکر

قرآن کریم میں موجود نہیں ہے ۔

شبہات اور ان کے جوابات

شرکاء مذاکرہ میں سے صرف محترم پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب نے اپنے اخباری بیانات میں عموماً دیت کے مساوی ہونے کے ثبوت میں جن دلائل کا ذکر کیا ہے وہ در اصل دلائل نہیں ہیں بلکہ کچھ شبہات اور غلط فہمیاں ہیں۔ ان شبہات کے جوابات درج ذیل ہیں :

۱ - **پہلا شبہ :** فقہ اور لغت کی متعدد کتابوں کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ دیت نفس اور خون کی قیمت اور بدل ہیں ۔

پہلی بات[۱] تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے ایک بھی مرد اور عورت کی دیت کی برابری کا قائل نہیں ہے اور باوجود مطالبے کے کسی ایک کی رائے بھی برابری کے بارے میں پیش نہیں کی جا سکی اگر ان کتابوں میں لفظ "بدل" کے وہی معنے ہوتے جو لئے جا رہے ہیں اور اس سے دیت کی برابری ثابت ہو سکتی تو پھر ان کتابوں میں نصف دیت کا فتویٰ درج نہ ہوتا بلکہ پوری دیت کا فتوےٰ درج ہوتا کسی مصنف کے الفاظ کا وہ مطلب لینا جو اس کی صریح رائے کے خلاف ہو تحقیق کا تقاضا نہیں ہے بلکہ بات کو الجھا کر مزید غلط فہمیاں پیدا کرنے کے مترادف ہے ۔

دوسری[۲] **بات** یہ عرض کرنی ہے کہ اگر بدل کے معنے قیمت اور ثمن کے ہیں تو کیا انسانی خون اور انسانی جان قابلِ فروخت چیز ہے ؟ کیا انسانی جان کی کوئی قیمت ہو سکتی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ بدل کے معنے یہ ہیں کہ دیت انسانی جان کے ضیاع کے بدلے میں وارثوں اور پس ماندگان کے مالی نقصان کی کسی حد تک تلافی کے لیے اور مالی کفالت کے لیے واجب کی گئی ہے ۔ اگر یہ خون کی قیمت بمعنے ثمن ہوتی تو جس نے قتل کیا ہے۔ اس پر واجب ہوتی عاقلہ پر واجب نہ ہوتی اس لیے کہ جانیؔ قاتل ہے عاقلہ نہیں ہیں جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیت عاقلہ پر عائد کی تھی ۔

كتب على كل بطن عقوله - (سنن نسائی فی القسامۃ باب شبہ العمد)

عمرؓ نے بھی دیت عاقلہ پر عائد کی تھی - (الدية على العاقلة)

سنن ترمذی فی الديات باب فی المرأة ترث من دية زوجها -

(جامع الاصول صفحہ ۴۴۷ و ۴۵۰ جلد ۴)

فقہاءؒ نے بھی لکھا ہے کہ دیت کا ادا کرنا عاقلہ کی ذمہ داری ہے -

(المبسوط صفحہ ۱۲۵ - ۱۲۶ جلد ۲۷ و صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱ جلد ۴)

(ہدایہ کتاب المعاقل معہ تکملۂ فتح القدیر صفحہ ۳۹۵ - ۳۹۸)

۲ - دوسرا شبہہ : کہا گیا ہے کہ آیت دیت مقدار اور وجوب دونوں کے اعتبار سے مجمل نہیں ہے بلکہ واضح ہے اور عام ہے اس نکتے کے ثبوت میں بھی نوالانوار اور علم اصول کی دوسری کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے :

علم اصول کی کتابوں میں مجمل ہونے کی یہ شرط بیان ہوئی ہے کہ لفظ کے مفہوم میں ابہام ہو دیت کی ماہیت اور مفہوم میں ابہام نہیں ہے لہٰذا اپنی ماہیت اور مفہوم کے اعتبار سے دیت کا لفظ مجمل نہیں ہے لیکن مقدار دیت کا تو آیت میں سرے سے ذکر ہی نہیں ہوا واضح اور عام ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تفسیر مظہری اور تفسیر جصاص میں آیت کو مقدار دیت کے بارے میں مجمل اور غیر مبینہ کہا گیا ہے - کہا گیا ہے کہ اسلام سے قبل دیت معلوم و معروف تھی آیت نے اسی معلوم و معروف دیت کا حوالہ دیا ہے - سوال یہ نہیں ہے کہ دورِ جاہلیت میں دیت کی مقدار کیا تھی؟ بلکہ اصل حل طلب سوال یہ ہے کہ آیت قرآنی میں دیت کی مقدار کتنی مقرر کی گئی ہے؟ کے معنے معروف و معلوم دیت نہیں ہیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ دیت مقتول کے وارثوں کو دی جائے گی - دوسری بات یہ ہے کہ کیا جاہلیت کے دور میں مرد اور عورت کی دیت برابر تھی جس کا حوالہ قرآن نے دیا ہے؟ جاہلیت کے دور میں تو مردوں کی دیت بھی برابر نہیں تھی بلکہ اونچ نیچ کا فرق تھا -

۳ - تیسرا شبہہ : ابن حزم کی کتاب الاحکام کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ فقہا بعض اوقات اپنے مذہب مختار کو بھی اجماع کہہ دیتے ہیں اور بقول ابن حزم کے امام

شافعیؒ نے کہا ہے کہ اجماع تو کبھی ہوا نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن حزم کا حوالہ کس لئے دیا جا رہا ہے کیا وہ پوری دیت کے قائل تھے؟ ابن حزم اور فقہ ظاہریہ کا فتوئے تو یہی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے ایسے فقیہ کا نام کیوں لیا جاتا ہے جو آپ کی رائے کے مخالف رائے رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن حزمؒ تو قیاس و اجتہاد کے شدید مخالف ہیں اور آپ تو اجتہاد و قیاس کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ائمہ اربعہ کے اجماعی اجتہاد کو بھی اپنے ذاتی اجتہاد سے رد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ابن حزم نے جو بات امام شافعیؒ کی جانب منسوب کی ہے کہ اجماع کبھی ہوا ہی نہیں ہے یہ بات امام شافعی کی اپنی کتاب الرسالہ کے خلاف ہے الرسالہ میں تو اجماع کے حجت ہونے اور اس کے خلاف رائے دینے کی حرمت کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

(الرسالہ صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۵ باب الاجماع طبع مصطفی البابی مصر ۱۹۶۹ء)

چوتھی بات یہ ہے کہ مذہب مختار پر اجماع کا اطلاق اس وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ مخالف رائے موجود ہو اور دیت کے نصف ہونے کے خلاف کوئی رائے موجود نہیں ہے۔
جب امام شافعیؒ نے عورت کی دیت کے نصف ہونے پر بھی اجماع کا ذکر کیا ہے اور کتاب الام میں دوسرے کئی مسائل میں بھی اجماع کا ذکر کیا ہے تو ان کو اجماع کے وجود ہی سے انکار کرنے والوں میں شمار کرنا بہت بڑی زیادتی اور غلط بیانی ہے جو کی جا رہی ہے۔ تحقیق کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ابن حزم کے حوالے دیئے جائیں بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی اپنی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

۴۔ چوتھا شبہہ ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ عورت کی دیت کے بارے میں کوئی حدیث رسولؐ، قول صحابیؓ، قول تابعی، قول تبع تابعی یا قول فقیہ پیش کیا جائے جس میں صراحتاً کہا گیا ہو کہ عورت کی دیت ۱۰۰ اونٹ ہے اس چیلنج کا جواب اب تک کسی نے نہیں دیا حالانکہ اصل نکتہ یہی ہے جس پر مسئلے کا دار و مدار ہے اس کے جواب میں وہی پرانی بات دہرا دی گئی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ نفس مؤمن کی دیت ۱۰۰ اونٹ ہیں اور یہ کہ رسول اللہؐ

کے دور میں دیت ۱۰۰ اونٹ تھی حالانکہ اس کی تشریح اور تخصیص مذکورہ ۵ روایات اور اجماع امت سے ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں مرد کی دیت کا ذکر ہے عورت کی دیت کا نہیں تشریح حدیث بالحدیث کے قاعدے سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ تمام محدثینؒ اور فقہاءؒ نے اس حدیث میں مذکورہ ۱۰۰ اونٹ کو مرد کی دیت قرار دیا ہے اور عورت کی دیت ۵۰ اونٹ قرار دی ہے۔ اس کے خلاف رائے ذاتی رائے تو ہو سکتی ہے شرعی حکم نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ شرعی قانون کے مقابلے میں کسی کی شخصی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

امام طحاوی کی مشکل الآثار والی عبارت کا مفہوم قصاص میں مساوات ہے دیت میں نہیں۔ شیخ عبدالحق کی اشعۃ اللمعات کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے مشکوٰۃ میں حدیث الجنین کے حاشیے پر شیخ عبدالحق کی تصریح موجود ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے اور ابوالولید باجی کی عبارت کا تعلق زخموں کی دیت سے ہے قتل کی دیت سے نہیں ہے۔ تفصیلات نوائے وقت میں شائع شدہ میرے مضمون میں موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ مجلس مذاکرہ میں کسی نے طحاویؒ، شیخ عبدالحقؒ اور ابوالولید باجی کا نام تک نہیں لیا تھا۔

باقی رہا ابو بکر الاصم اور ابن علیہ تو اصم معتزلی تھے اور ابن علیہ کے بارے میں کھلے قرینے کے ساتھ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس سے مراد ابراہیم بن علیہ ہے جو گمراہ کن شخص تھا اور اس کا اختلاف اجماع کے انعقاد پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور موجودہ دور کے تین چار افراد کا اختلاف بھی اجماع کے خلاف قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ قرون ثلاثہ (صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین) ائمہ مجتہدین اور تعامل امت کے خلاف بعد میں جو شخص کوئی اڑی قائم کرے گا وہ "خارق اجماع" کہلائے گا اگرچہ بہت بڑا عالم اور فقیہ بھی کہلاتا ہو۔

سراج منیر صاحب: مولانا گوہر الرحمٰن صاحب نے عورت کی دیت کے مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تو اب میرا خیال ہے کہ اب دوسرا نقطہ نظر بھی سامنے آجائے اس کے بعد سوالات و جوابات ہوں گے۔ اب جناب مولانا طاہر القادری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

پروفیسر طاہر القادری صاحب : نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم !

حضرات علماء کرام ! محترم ومکرم مولانا گوہر الرحمٰن صاحب میں نے آپ کی گفتگو کے دوران کچھ نوٹس لیے ہیں ۔ آپ نے نصف دیت کے بارے میں تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے میں نے جو نکات آپ کی تقریر سے لیے ہیں وہ تقریباً گیارہ ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ جس طرح آپ نے بیان فرمایا پہلے ان گیارہ نکات پر کچھ عرض کر لوں اسی ضمن میں پوری دیت کا جو میرا موقف ہے وہ سامنے آجائے گا ۔ میں الٹی سمت سے چلتا ہوں ۔ یعنی سب سے پہلے آپ کا آخری نقطہ بیان کرتا ہوں ۔ جہاں آپ کی بات ختم ہوئی وہاں سے شروع کرتا ہوں ۔

آپ نے جو بیان فرمایا کہ دیت خون کی قیمت نہیں ہے اس لیے " تتکافئ دماءھم " سے مقدار دیت کو مساوی قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ اس سلسلے میں میں یہ عرض کروں گا کہ دیت کو خون کی قیمت قرار نہ دینا یہ ہمارا عقلی اور قیاسی فیصلہ ہے ۔ اور دیت کا وہ معنی وہ مفہوم اور اس کی شرعی واصطلاحی تعریف جو ائمہ مجتہدین اور فقہاء نے ہمیشہ کی ہے اس سے ہٹ جانے کے مترادف ہے ۔ بجائے اس کے کہ ہم دیت کا معنی و مفہوم خود متعین کریں کہ وہ جان کی قیمت ہے یا نقصان کا عوض ہے یا قتل ہونے کے سبب جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی ہے ۔ یا یہ کیا ہے ؟ اس کو خود ائمہ مجتہدین سے ، اہل لغت سے اور اہل زبان سے دریافت کریں ۔

ائمہ نے دیت کا جو معنی مسلمات کے طور پر متعین فرما دیا ہو ۔ اور کتابوں میں موجود ہو تو پھر ہمیں دیت کے معنی کی حد تک اس سے ہٹنے کا اختیار نہ ہو گا ۔ کیونکہ اگر معنی ہی بدل جائے تو پھر گفتگو کا موضوع ہی اور ہو جاتا ہے ۔ اس سلسلے میں میری گذارش یہ ہے کہ دیت تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک خون کی قیمت ہی رہی ہے ۔ یہ نفس یا خون کا بدل ہے ۔ ائمہ نے دیت کے لفظ کے معنی کو کبھی بھی مالی نقصان کے ساتھ منسلک نہیں کیا ۔ اس سلسلے میں میں چند حوالہ جات عرض کر رہا ہوں ۔

سب سے پہلے ہم جب لغت کی کتاب " منجد " کو دیکھتے ہیں تو منجد میں دیت کا معنی " ما یعطی من المال بدل النفس فی القتل یعنی مقتول کے نفس کے بدل کے طور پر جو مال دیا جاتا ہے ۔ اسی طرح تنویر الابصار جو ردالمحتار کا متن ہے ۔ اس کی جلد پانچ صفحہ ۳۶۸ پر یہی معنی

درج ہے کہ یہ بدل نفس ہے ۔ جان کا بدل ہے ۔ اور بدل معاوضہ، قیمت یا کسی چیز کے مقابلے میں ادا ہونے والے مال کو کہتے ہیں فتح القدیر جو احناف کی بڑی معتبر کتاب ہے اس کی جلد ۹ صفحہ ۳۰۴ پر یہی معنی مذکور ہے" الدیۃ المال الذی ھو بدل النفس " یہ جان کا بدل یہ جان کی قیمت ہے ۔ اس کو کسی مالی نقصان کے ساتھ منسلک ہرگز نہیں کیا گیا ۔ اسی طرح باقی میں حوالہ جات عرض کر دیتا ہوں ۔ یہی معنی حاشیہ کتاب الحج میں مولانا مہدی حسن صاحب نے بھی بیان فرمایا ہے ۔ امام جصاص احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ پر فرماتے ہیں ۔" الدیۃ قیمۃ النفس" جب صراحت کے ساتھ دیت کو جان کی قیمت قرار دیدیا گیا تو پھر ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم دیت کا معنی کسی اور مصلحت یا پھر کسی قیاسی دلیل کی بنیاد پر متعین کریں ۔ دیت بذات خود ایک لفظ ہے اس کی ایک شرعی، اصطلاحی اور فنی تعریف ہے جس کو فقہاء نے متعین فرما دیا ہے ۔ امام رازی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ مقابلہ نفس میں دیا جانے والا مال ہے اس کے سوا اور کوئی معنیٰ ہی نہیں ۔

تفسیر کبیر جلد دس صفحہ ۲۳۶ الدیۃ لا معنی لھا الا ..... اس سے آگے بدل نفس کی بات کرتے ہیں کہ بدل نفس کے علاوہ اس کا کوئی معنی ہی نہیں ۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ جلد چار صفحہ ۲۰ پر بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں ۔

حاشیہ ہدایہ کتاب الدیات میں بھی یہی معنی ہے کہ دیت بدل نفس ہے ان تمام چیزوں کی بنیاد پر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دیت بدل النفس اور جان کی قیمت ہے ۔ اس کو ہم قرآن کی آیت کریمہ "النفس بالنفس" سے سمجھ سکتے ہیں ۔ جب دیت نفس کا بدل اور نفس کی قیمت ٹھہری اور نفس کا بدلہ نفس کے ساتھ قرآن نے متعین کر دیا ہے ۔ حضرت نے فرمایا اگر دیت نفس کا بدلہ ہوتی تو مرد اور عورت کی دیت برابر ہوتی لیکن چونکہ یہ خون کی یا نفس کی قیمت نہیں لہٰذا یہ برابر نہیں ۔ جب یہ اصول واضح ہو گیا کہ دیت جان اور خون کی قیمت ہے کسی اور چیز کا نام نہیں ۔ تو اس کے معنی ہی کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ دیت میں جب خون اور نفس برابر ہے تو اس کی قیمت اور بدل بھی برابر ہے ۔

اسی طرح روح البیان میں بھی دیت کو بدل نفس ہی قرار دیا گیا جلد ۵ صفحہ ۲۵۹ - ابوزہرہ نے الجریمہ میں بھی یہی معنی بتائے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ گئے ہیں - یہاں تک جتنی تعریفات اور اقوال میں نے عرض کیے ہیں ان میں دو الفاظ صراحت سے سامنے آئے ہیں کہ دیت بدلِ نفس ہے اور قیمتِ نفس ہے - اب اس سے آگے چل کر ابوزہرہ نے جو معنی بیان کیا ہے وہ ہے " الدیۃ ھی القصاص فی المعنی دون الصورۃ کہ دیت نام ہی معنوی قصاص کا ہے - معنیً انہوں نے دیت کو قصاص ہی قرار دیا ہے - صورتاً جدا ہے کہ وہ صاف ظاہر ہے کہ وہ جان کا بدلہ جان سے ہے اور دیت جان کا بدلہ مال کی صورت میں ہے - لیکن فرماتے ہیں کہ معنیً قصاص ہے - اور قصاص کا معنی بھی برابری کا ہے - اور برابر میں بدلہ لینے کا ہوتا ہے - اس لحاظ سے بھی یہ قصاص اور نفس اور جان کا بدل قرار پایا - رشید رضا نے بھی اس کو بیان کرتے ہوئے المنار جلد ۵ صفحہ ۳۳۲ پر خون کا عوض قرار دیا ہے - یہاں کہتے ہیں کہ مقتول کے ورثاء کو خون کا جو معاوضہ دیا جاتا ہے اس کو دیت کہا جاتا ہے - اس کے بعد امام سرخسی نے المبسوط میں اس طرح بیان کیا ہے ، کہ یہ وہ مال ہے جو قتل خطا کی صورت میں دیا جاتا ہے صیانت نفس کے طور پر ہے یا سزا کے طور پر عائد کیا جاتا ہے آپ نے اسی کو دیت قرار دیا ہے - سید سابق نے "فقہ السنۃ" میں ھذہ عقوبۃ مالیۃ فی نفسھا " کہا ہے مالی نقصان کی تلافی نہیں ہے اپنے معنی مفہوم کے اعتبار سے اور اپنی فنی علمی شرعی اور اصطلاحی تعریف کے اعتبار سے اس کی تعریف اور معنی میں قطعاً مالی نقصان اور معاوضہ اور تلافی کا کوئی واسطہ نہیں - یہ محض جان کا بدل، نفس کا بدل نفس کی قیمت اور مالی عقوبت جان تلف کرنے کے اعتبار سے فقہاء نے . . . . بیان فرما دی - اس کے بعد بدائع الصنائع جلد، صفحہ ۳۵۷ پر صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ دیت "ضمان الدم" ہے - یہ وہ مالی عقوبت ہے وہ مالی جرمانہ ہے جو خون کے بدلے میں ہوتا ہے - یہاں سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ دیت خون کی قیمت اور خون کا ضمان ہے اس کے بعد نیل المرام میں سید صدیق حسن خان قنوجی صفحہ ۱۶۶ میں بھی بیان کرتے ہیں -

مایعطی عوضا عن دم مقتول الی ورثتہ کہ یہ دم مقتول کے عوض معاوضہ

اور قیمت ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اور شیخ محمد علی صابونی روائع البیان میں ذکر کرتے ہیں کہ دیت وہی ہے جو قتیل کے دم کا عوض ہے۔ یہ تفسیر حسنات ہے مولانا سید ابوالحسنات کی جلد اول صفحہ ۱۱۸ اور دیگر مترجمین اور علماء جو اردو میں لکھنے والے ہیں انہوں نے بھی دیت کا معنی خون بہا کیا ہے اصطلاح شرع میں دیت خون مسلم کا وہ مالی معاوضہ ہے جو مقتول کے ورثا کو دیا جاتا ہے، چونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض ہوتا ہے اس لیے اردو اور فارسی میں اس کو خون بہا کہا جاتا ہے۔

تفسیر نعیمی جلد ۵ صفحہ ۳۴۰ اور مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ۔ اور دیگر علماء اکابر اور بزرگان کے ترجموں میں بھی دیت کا معنی خون بہا کیا گیا ہے۔ شیخ منصور الناسف جامعہ ازہر کے علماء میں سے ہیں۔ "التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول" میں دیت کو مقابلۃ النفس کے معنی میں قرار دیتے ہیں تو یہ تیس حوالہ جات اور تعریفات مَیں نے عرض کی ہیں صرف اس نکتے کو واضح کرنے کے لیے کہ میری ناقص رائے کے مطابق مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں یہی الفاظ ملتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ دیت ضمان نفس ہے بدل نفس ہے، بدل جان ہے۔ قیمت خون ہے، معنوی قصاص ہے۔ عقوبت مالیہ ہے یا خون بہا ہے جب یہ بات ان تمام متفقہ اور طے شدہ تعریفات کی روشنی میں اور علمی فنی اصطلاحی اور معانی کی روشنی میں طے ہو گئی کہ دیت خون کی قیمت ہے نفس کی قیمت ہے اب اس اصول کو سامنے رکھ کر جب ہم حضور علیہ السلام کی اس حدیث پر نظر ڈالتے ہیں کہ "المسلمون تتکافأ دماءھم" کہ تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے۔ تو جب دیت خون کی قیمت ہے اور خون کا بدل ہے حضور نے فرمایا ہے کہ سب مسلمانوں کا خون برابر ہے تو یہ جو لفظ مسلمان کا آیا ہے یہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ اس میں مرد اور عورت سب شامل ہیں۔ اب وجوب دیت کا تو مسئلہ ہی نہیں رہا۔ جب نفس اور جان اور خون کی قیمت اور بدل اور معاوضہ طے ہو گیا تو پھر اس کا تعلق وجوب سے نہ ہوا بلکہ وہ برابری مقدار سے طے ہو گا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد فرمانا کہ

"المسلمون تتکافا دمائہم" قطعاً قصاص اور دیت کے وجوب کو مستلزم نہیں بلکہ یہ بنیاد ہی اسی پر قائم ہے کہ دیت کا معنی چونکہ خون کی قیمت ہے اور حضور نے سب کی نسبت خون کو برابر قرار دیا اس لیے مرد قتل ہو تو اس کی بھی وہی دیت ہوگی اور عورت قتل ہو تو اس کی بھی وہی دیت ۔ ہر ایک کا خون برابر ہے ۔

دوسرے حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ یہ مالی تکافل ہے تو مالی کفالت تو اس میں از خود آگئی ۔ آپ نے فرمایا کہ امام اعظم نے مالی کفالت کے لیے ذمی کی دیت کو مسلم کی دیت کے برابر قرار دیا تو اس ضمن میں عرض ہے کہ احناف نے ذمیوں کی دیت کے ضمن میں جتنی بحثیں کی ہیں میں نے بیسیوں کتابوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ، میری نظر کوتاہ ہے اس میں کمی رہ گئی ہوگی ۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا ہوں لیکن میں یہ عرض کردوں گا کہ امام اعظم نے ذمی کی دیت کو قطعاً مالی کفالت کی بنا پر مسلمان کے برابر قرار نہیں دیا یہ دلیل ہی امام اعظم نے نہیں دی بلکہ امام اعظم نے ذمی کی دیت کو مقداراً مسلمان کے برابر قرآن کی آیت کے عمومی اطلاق کی بنا پر قرار دیا ہے ۔ حضرت مولانا گوہر الرحمن کا یہ فرمانا کہ امام اعظم نے مالی کفالت کے طور پر برابر قرار دیا ہے ۔ امام اعظم کے بیان میں مجھے کہیں نظر نہیں آیا ۔ ابھی میں اپنے موقعہ پر حوالہ عرض کردوں گا اب صورت یہ رہ گئی کہ مالی کفالت اور دیت کا تعلق ۔ یہ بات واضح ہوگئی دیت مالی کفالت نہیں بلکہ خون کا معاوضہ ہے ۔ لیکن جب ایک سزا عائد کی جاتی ہے تو اس پر کئی فوائد اور ثمرات از خود مترتب ہو جاتے ہیں ۔ جب یہ سزا دی جاتی ہے تو اس سے مجرم کو آئندہ جرم سے روکنا بھی مقصود ہوتا ہے یہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔ جو لوگ سزا پانے والے کی شدت اور کیفیت کو دیکھتے ہیں وہ دیکھ کر جرم سے تائب ہو جاتے ہیں ۔ یہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔

کو سزا دی جاتی ہے وہ بسا اوقات آئندہ جرم کے قابل نہیں رہتا اور تائب ہو جاتا ہے ۔ غرض سزا کے فوائد تو کئی مترتب ہوتے ہیں لیکن وہ سزا کے معنی نہیں ہوتے ۔ وہ سزا کے فوائد ہوتے ہیں اور بیسیوں ہو سکتے ہیں ۔ اہل مغرب نے بھی سزاؤں کے فلسفے پر گفتگو کی ہے اور مقاصد

سزا بیان کیے ہیں۔

جب دیت سزا ہو گئی اور خون کی قیمت ہو گئی اس اعتبار سے یہ مرد اور عورت میں برابر ہے۔ اب رہا مالی کفالت کا معاملہ تو اس سے دو ہرے فوائد ہوں گے اور کئی فوائد ہوں گے۔ جب مالی جرمانہ عورت کے قتل پر بھی لگایا جائے گا تو ایک تو اس کو سزا مل گئی کہ چونکہ قتل خطا تھا اور عمداً اس نے قتل نہیں کیا تھا لہٰذا قصاص موقوف ہوا۔ قتل خطا میں قصاص بھی ممکن نہ تھا اور اگر سزا بھی نہ دی جاتی تو ایک جان ضائع ہو جاتی۔ اس عمل کے پیش نظر کہ خطاءً اس نے اتنا بڑا جرم کیوں کیا؟ تو دیت اس کے لیے سزا ہو گئی کہ آئندہ اس نے ایسا جرم نہیں کرنا۔ اور جب دیت ورثاء کو دی گئی "مسلمة الیٰ اهله" تو از خود کفالت کا فائدہ بھی ہو گیا۔ اور مالی کفالت کا جو فلسفہ ہے وہ دیت کی بنیاد نہیں ہے۔ وہ ادائے دیت کے متعدد ثمرات و فوائد اور نتائج میں سے ہے۔ اگر دیت کا تعین مالی کفالت کے اصول پر ہوگا تو پھر وہ بچہ جو ماں کے پیٹ سے کسی کی زدوکوب کے سبب سے پیدا ہوا اور دو سانس لے کر پانچ منٹ کے بعد مر جاتا ہے اس کی دیت بھی سو اونٹ نہ ہوتی۔ شریعت نے اس بچے کو جو ابھی پیدا ہوا اور مر گیا اس کی دیت وہی سو اونٹ قرار دی یعنی کامل مرد کے برابر قرار دیا حالانکہ اس کی موت سے خاندان اور ورثاء کو کونسا مالی نقصان ہوا ہے اگر شریعت نے مالی نقصان کو دیت کی بنیاد مقرر کیا ہوتا تو پھر اس بچے کی دیت معمولی سی ہوتی۔ اور وہ بوڑھا جو سو سال کا ہو دس سال سے بیمار پڑا ہو خاندان پر بوجھ ہو، بیکار ہو جس کا علاج بھی ورثاء پر بار ہو اگر وہ مر جائے تو ان کی تو خلاصی ہوئی اس کی دیت بھی شریعت نے سو اونٹ رکھی ہے۔ تو دیت کا تعلق مالی نقصان سے نہیں۔ ناک جڑ سے کٹ جائے تو پھر بھی دیت سو اونٹ ہے گویا دیت کا تعلق مالی نقصان کی تلافی سے نہیں ہوتا اگر دیت کی یہ بنیاد ہوتی تو لاکھوں روپے ماہانہ کمانے والا شخص اگر مرے تو اس کی دیت لاکھوں روپے ہونی چاہیے اور جو پانچ سو روپے کماتا ہے اس کی دیت کم ہونی کیونکہ مالی نقصان ورثاء کو کم ہوا ہے۔ لیکن ضعیف اور کمزور اور بیمار شریف اور وضیع اور چھوٹے اور بڑے کی دیت کو برابر رکھنا یہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ دیت کا تعلق نہ مالی منفعت سے ہے

نہ کسی کے چھوٹے بڑے ہونے سے ہے نہ جنس کے ساتھ ہے نہ عمر کے ساتھ ہے۔ کسی چیز کے ساتھ اس کا تعلق نہیں صرف جان کے ساتھ ہے۔ جان چھوٹے اور بوڑھے کی ایک ہی ہے۔ بیمار کی بھی وہی ہے اور صحت مند کی بھی وہی ہے نابینا کی بھی وہی ہے اور صحیح الاطراف کی بھی وہی ہے۔

اب حضرت مولانا گوہر الرحمٰن صاحب نے ایک بڑی علمی بات فرمائی ہے اور اس کا تعلق قرآن مجید کی آیت کے ساتھ ہے۔ یہ میں نے عرض کیا تھا، کہ گیارہویں نمبر سے نیچے دسویں نویں نمبر کی طرف آرہا ہوں۔ یہ آٹھواں نمبر حضرت نے معاشی نقطہ نظر سے بیان کیا تھا وہ بھی عرض کر دوں کہ یہ بنیادی اور اصولی بات ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے وہ ایسا قانون کبھی بھی بنانا نہیں چاہتا جو کبھی تو لاگو ہو اور کبھی نہ ہو۔ معاشرے کی وہ عورتیں جو کمائیں ان کے لیے تو تعزیراً اگر عدالت کو ضرورت محسوس ہو تو بڑھا کر برابر کر دے۔ اس کے لیے کمی کی تلافی کی جو صورت ہے یہ بالکل مغرب کا قانون اکویٹی (برابری) ہے۔ مغرب کا جو پرنسپل آف اکویٹی ہے اس سے وہ قانون کی خامی کو پورا کر کے تلافی کرتے ہیں اسلام کے اندر قانون کی خامی کو اکویٹی سے پورا نہیں کیا جاتا اسلام کا قانون خود ہی اتنا کامل ہوتا ہے کہ مغرب اسلام کے قانون کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتا۔ اس لیے اگر کسی

گھرانے کی عورت کمانے والی ہو تو اس کی دیت بڑھانے کی ضرورت پڑ جائے اور کسی کی نہ کمانے والی ہو تو اس کی کم ہو جائے۔ اگر مالی منفعت کے حساب سے دیکھا جائے تو آج کے معاشرے میں بہت سے گھرانوں میں عورتیں کمانے والی ہیں اور کمانے والی بنتی جا رہی ہیں اور جب بیوہ ہوتی ہیں تو انحصار ہی انہی پر ہوتا ہے۔ تو ان کے مر جانے سے جب کمانے والا ہی کوئی نہ رہے تو ان کے مالی نقصان کی تلافی کس حوالے سے ہو گی ـــ اور پھر اسلام صرف پاکستان یا مشرقی دنیا کے لیے ہی نہیں یہ مغربی دنیا کے لیے بھی ہے اور مغربی دنیا میں ہر فرد مرد اور عورت، برابر کماتا ہے بلکہ بسا اوقات عورتیں زیادہ کماتی ہیں اگر اسلام کے قانون کا مغرب میں نفاذ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہاں کیسا قانون بنایا جائے گا جہاں کہ عورت مرد سے زیادہ کماتی ہے یا کم سے کم برابر کما رہی ہے۔ لہٰذا میری گذارش آٹھویں پوائنٹ کے ضمن میں یہ ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے اس کا قانون بھی عالمگیر

ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک ہر گھرانے میں ہر حال میں، ہر فیملی اور ہر صورت حال میں یکساں نافذ ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں جس کی تلافی کی عدالت کو ضرورت پڑے۔

اس کے بعد حضرت نے قرآن کی آیت کے متعلق جو فرمایا کہ اس میں وجوب دیت ہے مقدار کا ذکر نہیں۔ اس آیت میں "من قتل مؤمناً خطاء" کے جو الفاظ ہیں اس میں مؤمن کا کلمہ عام ہے۔ یعنی یہ عام جو ہے یہ عورت کی دیت کو واجب کرنے کی حد تک تو یہ عام ہے لیکن اس سے مقدار کی برابری ثابت نہیں ہوتی۔ صرف وجوب کی برابری ثابت ہوتی ہے۔ ایک بات حضرت نے یہ فرمائی قرآن کے حوالے سے۔ دوسری بات مولانا نے یہ فرمائی کہ یہ آیت مقدارِ دیت میں مجمل ہے۔ انہی دونوں معاملات میں میں عرض کرنا چاہوں گا۔

قرآن مجید کی آیت کا منشا نہ تو صرف وجوب میں عورت کو شامل کرنا ہے اور نہ مقدار میں مجمل ہے۔ میں ان دونوں چیزوں سے فنی بنیادوں پر ادب اور نیاز مندی کے ساتھ اختلاف کرتا ہوں۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب: یہ بات میری نہیں یہ تو مفسرین فقہاء اور مجتہدین کی ہے میں تو صرف ناقل ہوں۔

طاہر القادری صاحب: بجا ہے، صحیح بات ہے، ہم بھی ناقل ہیں، ہم نہ کسی چیز کو تخلیق کر سکتے ہیں نہ کرنے والے ہیں نہ دعویٰ کرتے ہیں۔

پہلی بات حضرت نے فرمائی تھی کہ یہ آیت وجوب میں عام ہے مقدار میں نہیں اس کے لیے میں اتنا عرض کر دوں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قرآن کا وجوب عام بیان کرنے کا مقصد ہی نہ تھا۔ اس لیے کہ وجوب دیت عورت کے لیے پہلے سے ثابت تھا۔ یہ ایک بنیادی نکتہ ہے جو میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں عورت کے لیے دیت، تھوڑی یا زیادہ، اس کی بابت ابھی عرض کرتا ہوں۔ بلکہ دورِ جاہلیت کے عرب بھی عورت کی دیت کم کرتے تھے لیکن مطلقاً عورت کے لیے وجوب دیت کا کہ عورت قتل ہو جاتی تو اس کے لیے دیت ہوتی تھی تھوڑی یا زیادہ۔ تو عورت کے لیے وجوب دیت کا دورِ جاہلیت میں بھی تھا۔ لہٰذا عورت کے لیے وجوب دیت تو پہلے سے عرب میں موجود تھا لہٰذا اب یہ قرآن مجید کے لیے تکرار تحصیل حاصل ہے کیونکہ نزول قرآن سے پہلے ہی دورِ جاہلیت کے عرب عورت کے لیے دیت کو واجب تصور کرتے تھے اب

دیت کو عورت کے لیے واجب کرنا یہ تو کوئی منشا ہی نہ تھا بلکہ اس آیت کو وجوب پر محمول کرنا اور مقدار کو شامل نہ کرنا قرآن کے منشاء سے ہٹ جانے کے مترادف ہے۔ اس کے جوابات اور حوالہ جات تو بہت سے ہیں لیکن میں صرف ایک حوالہ عرض کرتا ہوں۔ ڈاکٹر جواد علی' ان کی کتاب ہے "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" جلد پانچ صفحہ ۵۹۲ مجھے علماء کے جوتے اور ان کے نعلین میں بیٹھنے سے جو تھوڑا بہت حاصل ہوا ہے اس بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ وجوب میں عورت کو شامل کرنا قرآن کا منشا نہ تھا۔ بلکہ مقدار میں مرد اور عورت' چھوٹے اور بڑے' امیر غریب ہر ایک کو برابر کرنا مقصود تھا۔ صفحہ ۵۹۲ اور صفحہ ۵۹۶ پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ دیت تمام قبائل اور تمام افراد ہر ایک کے لیے موجود تھی یہ واجب تھی۔ معروف اور شرعی دیت قدیم دور جاہلیت میں دس اونٹ ہوا کرتے تھے۔ اس کو بڑھا کر ہزار اونٹ تک بھی چلی جاتی تھی۔ امیر مر جاتا تو اس کے لیے زیادہ اور غریب و کمزور مرتا تو دیت کم ہوتی۔ یہاں تک کہ کسی قبیلے کا سردار مر جاتا تو اس کی دیت ہزار اونٹ ہوتی۔ جبکہ عموماً دس اونٹ تھے۔ جب کہ عورت کے ساتھ یہ ظلم کیا جاتا کہ اس کی دیت دس سے گھٹا کر پانچ اونٹ کر دی جاتی۔ نصف دیت کا تصور دور جاہلیت کا تصور ہے۔ جس طرح غریب اور نادار لوگوں کے ساتھ کیا جاتا تھا اسی طرح عورت کے ساتھ بھی ظلم کیا جاتا تھا اور مقداراً نصف دیت دی جاتی۔ تو وجوب ثابت ہے عورت کے لیے بھی فرق جو تھا وہ صرف مقدار کا تھا۔ عورت کی کم رکھتے تھے بڑے قبیلے کی زیادہ ہوتی تھی' امیر کی زیادہ ہوتی تھی اور قبیلے کے سردار کی زیادہ ہوتی تھی لہٰذا وجوب دیت تو پہلے سے ثابت تھا لیکن مقدار میں فرق کرتے تھے تو قرآن حکیم کی آیت کا نازل ہونا متقاضی اس امر کا تھا اور مستلزم ہی اسی بات کو تھا کہ دیت واجب تو پہلے ہی تمہارے ہاں ہیں۔ منشائے قرآن یہ تھا کہ دیت کی وہی مقدار جو مرد کے لیے ہے جو بڑے کے لیے ہے جو قبیلے کے سردار کے لیے دی جاتی ہے وہی عورت کے لیے اور وہی غریب کے لیے ہے۔ لہٰذا وجوب میں عموم کا تصور قرآن کے منشا کے خلاف ہے۔ اور پھر بعد میں حضرت عبدالمطلب نے یا بروایات دیگر ابی سیارۃ نے معروف دیت اور شرعی دیت کو دس سے بڑھا کر سو اونٹ کر دیا تھا۔ جب یہ آیت اتری ہے تو سو اونٹ کی دیت عربوں کے ہاں معروف تھی مروج تھی لیکن مقداراً چھوٹے

بڑے اور مرد عورت کے فرق کا تصور موجود تھا چنانچہ قرآن حکیم کی یہ آیت اس پس منظر کی روشنی میں اتری تو جب ہم اس پس منظر کی روشنی میں یہ آیت پڑھتے ہیں تو پھر قرآن کا منشا واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ ان حالات میں قرآن کریم نے فرمایا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً..... الخ اور میں سمجھتا ہوں کہ مولانا بھی اس امر سے اختلاف نہیں فرمائیں گے یہ لفظ مومن ہے اور یہ عام ہے جس میں عورت بھی شامل ہے۔ مولانا نے ابھی فرمایا بھی ہے لیکن فرق یہ تھا کہ حضرت نے عورت کو صرف وجوب کی حد تک شامل فرمایا اور میں نے عرض کر دیا ہے کہ وجوب میں عورت کے شامل کرنے سے منشائے قرآن پورا ہی نہیں ہوتا۔ قرآن نے کہا "ودیة مسلمة الی اهله" حضرت نے فرمایا کہ دیت کا لفظ مجمل ہے مقدار میں۔ میں عرض کروں گا کہ مجمل نہیں بلکہ مطلق ہے عموم جو ہے وہ عورت اور مرد ہر ایک کو شامل کرنے کے لیے مستلزم ہے اس لیے کہ لفظ دیت مطلق آیا ہے اور مجمل نہیں لیکن اس پر پہلے کچھ فنی بات عرض کر لوں۔ حضرت کا یہ فرمانا کہ یہ مجمل ہے میں اس پر مجمل کی فنی اور فقہی تعریف عرض کر دوں کہ مجمل کہتے کسے ہیں؟ اگر مجمل کی تعریف پر دیت کا لفظ پورا اترے اور مجمل کے شرائط دیت کے لفظ میں پائے جائیں تو پھر اسے مجمل تسلیم کرنے سے ہمیں انکار نہیں ہے۔ خواہ اسے مظہری لکھے یا کوئی اور لکھے غرض کسی کے لکھنے سے نہیں ہے غرض یہ ہے کہ مجمل کی جو تعریف ہے اور قواعد و شرائط ہیں اس پر بھی یہ لفظ پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں جب دیکھتے ہیں تو میرے پاس موجود صرف کتابوں کے نام عرض کر دیتا ہوں اور خلاصہ کلام عرض کر دوں گا۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ لفظ دیت کا مجمل نہیں ہے اس لیے کہ یہ مجمل کی تعریف پر پورا نہیں اترتا اور مجمل کے شرائط اس میں نہیں پائے جاتے۔ سب سے پہلے کتاب ہے نور الانوار ص ۹۱ دوسرا حوالہ عرض کر رہا ہوں اصول بزدوی ص ۵۴ تیسرا علم اصول الفقہ عبدالوہاب خلاف کی ص ۱۹۴ چوتھا شیخ محمد خضری کی کتاب اصول الفقہ ص ۱۳۵ اسی طرح عبدالوہاب کی اصول الفقہ، کشف الاسرار جلد اول ص ۵۵ نامی شرح حسامی ص ۲ ان تمام اصول کی کتابوں میں جو مجمل کی تعریف درج ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجمل کی تعریف اور مجمل کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجمل کی تعریف اور شرائط تین ہیں۔ یہ تین وجوہ اجمال ہو۔ اگر ایک بھی وجہ اجمال نہ پائی جاتی ہو تو اسے مجمل نہیں کہا جائے گا۔

سب سے پہلے یہ ہے کہ جس میں اژدہام معانی ہو یعنی مختلف معانی کثرت کے ساتھ متعدد معانی ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ رکھنے والے۔ الجھانے والے اور اشتباہ پیدا کرنے والے بہت سے پائے جائیں اور ان معانی میں سے مراد متکلم کیا ہے۔ کہنے والا اس میں سے کون معنی مراد لے رہا ہے؟ اس کی سمجھ نہ تو طلب سے آئے اور نہ تامل سے۔ اپنی ذاتی تمام تر کوشش کرنے کے باوجود بھی اژدہام معانی اور ہجوم معانی اور اشتباہ کی وجہ سے سمجھ نہ آئے کہ کہنے والے کی کیا مراد ہے۔ اتنے معانی اس میں کثرت سے پائے جائیں تو پھر اس کا فیصلہ اور مراد متکلم جب متکلم خود بیان کرے گا تب سمجھ آئے گا۔ یہ تو پہلی بات تھی۔

دوسری بات تین اجزاء جو مجمل میں پائے جاتے ہیں یا تو اس میں مشترک کی طرح اتنے معانی ہوں کسی کو ترجیح دینے کا سبب اور وجہ ترجیح نہ ہو۔ تو اس کو مجمل کہیں گے دوسرا یہ کہ لفظ غرابت کی وجہ سے اتنا نیا ہو کہ اس کا معنی ہی کسی کو معلوم نہ ہو تیسرا یہ کہ متکلم اس لفظ کے اصلی معنی اور معروف معنی سے کسی مخصوص شرعی معنی کی طرح اس کو لے جانا چاہتا ہے۔ کوئی نیا شرعی معنی دینا چاہتا ہے اور ظاہر اور معروف معنی سے ہٹ کر کوئی شرعی معنی دے رہا ہے۔ جس کا سامعین کو پتہ نہیں چل رہا۔

تو جب ان تینوں شرائط اجمال کے مطابق دیت پر ہم غور کرتے ہیں۔ مقدار دیت کے حوالے سے بھی ان تینوں شرائط میں سے کوئی شرط ہمیں پوری ہوتی نظر نہیں آتی پہلی بات تو یہ تھی کہ معانی اتنی کثرت سے ہوں کہ کسی کو ترجیح نہ دی جاسکے۔ یہ شرط اس لیے موجود نہیں اگر آپ فرمائیں تو میرے پاس تیس کتابوں کے قریب حوالہ جات ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دیت کا لفظ معلوم تھا متعارف تھا مقدار کے لحاظ سے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ پہلے دس اونٹ ہوتے تھے پھر سو کر دیے گئے۔ لہٰذا مقدار دیت معروف تھی۔ اور جب لفظ دیت بولا جاتا تو اس سے مراد ہی سو اونٹ ہوتے تھے مقدار کے بارے میں یہ حوالہ "احکام القرآن للجصاص میں بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ان الدیۃ اسم المقدار من المال بدلا من نفس الحر کانت معلومۃ المقدار عندھم مأۃ من الابل لہٰذا لفظ دیت مقدار بھی معروف تھا اور معلوم و متعارف تھا اور اس کی مقدار بھی متعین تھی۔ لہٰذا مقدار میں یہ لفظ قطعاً مجمل نہیں ہے۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب: کیا جصاص کا مسلک پوری دیت کا ہے۔؟

طاہر القادری صاحب: اس سے غرض نہیں ہے میں صرف لفظِ دیت کے اطلاق کی اصولی بات کر رہا ہوں۔ کسی لکھنے والے کی رائے سے غرض نہیں میں دلائل سے بات کر رہا ہوں۔ جصاص کے پاس دلائل کیا ہیں جصاص کی رائے کیا ہے۔ یا اور علماء کے کیا دلائل ہیں ہم اس وقت موازنہ نہیں کر رہے۔ ہم مطلق دیت کے لفظ کی بات کر رہے تھے یا ہیں ہم اس وقت یہ بات کر رہے ہیں کہ دیت کا لفظ مطلق ہے یا مجمل۔ مجمل کے اعتبار سے میں نے ایک تاریخی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ دلائل کی بات ہم نہیں کر رہے انہوں نے تاریخی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ "کانت معلومة المقدار عندهم مائة من الابل" سو اونٹوں کی مقدار متعین اور معلوم تھی۔ احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۴۲۔ اسی طرح یہی بات فقہ السنہ میں سید سابق نے بھی کہی۔ اسی طرح یہی بات عبدالرحمٰن الجزیری نے کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں کہی ہے۔ قتل خطا میں مقدار دیت کا معلوم ہونا اگر معلوم ہو جائے تو صاف ظاہر ہے کہ مسئلہ مجمل نہ رہا اور یہ چیز حدیث نسائی سے بھی ثابت ہے۔ صحاح ستہ کی کتاب نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ ذکر القسامہ میں بنی ہاشم کے ایک مقتول کا فیصلہ کرتے ہوئے حضرت ابو طالب نے قاتل سے فرمایا کہ تین لازمی سزاؤں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلے اور فرمایا کہ "ان تودی مائة من الابل انك قتلت صاحبنا خطأ" خطاء قتل کیا ہے لہٰذا قتل خطاء کی جو سزا ہے وہ سو اونٹ ہے۔ یہ صحاح ستہ سے بھی ثابت ہو گیا۔ اور دیگر کئی کتابوں میں بھی ہے کہ لفظ دیت مقدار میں مجمل تھا یہ معلوم متعارف مروج متعین مقدار تھی۔ دوسری شرط تھی غرابت لفظی وہ بھی نہیں پائی جاتی۔ اور تیسرا معنی مجمل کا کہ متکلم اس کو کسی دوسری طرف لے جانا چاہتا ہو ان تینوں اجزاء میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ مقدار یہ لفظ بالکل واضح معلوم اور متعین ہے۔ تو یہ تھی بحث کہ مقدار کیہ دیت مجمل نہیں ہے۔ میرے پیش نظر جو طریق کار ہے۔ وہ اصولوں اور دلائل پر مبنی ہے۔ بنیاد قرآن و سنت ہے۔ اور اس کی تائید میں استشہاداً حوالہ جات لایا ہوں۔ اس سے کوئی اختلاف بھی کر سکتا ہے۔ اور اتفاق بھی حوالے کی تائید میں امام جصاص ہی کا حوالہ لا رہا ہوں۔ انہوں نے صراحتہً یہ لکھ دیا ہے کہ دیت کا لفظ مجمل نہیں ہے۔ بات تھی مقدار کی تو وہ یہ ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم اور احناف پر اعتراض کیا ہے۔ اور کہا کہ تم ذمیوں کی مقدار اور وہی دیت مراد لیتے ہو جو مسلم کی ہے۔ جب یہ بحث ہی مقدار دیت کی ہو رہی ہے، دیت جو

دیت کی تو ہو ہی نہیں رہی۔ وجوب کی بحث کا تو یہاں کوئی تک ہی نہیں بنتا۔ امام رازی نے اعتراض کیا کہ تم کس طرح ذمی کی دیت کو مسلمان کے برابر قرار دیتے ہوئے امام اعظم اور احناف نے جواب دیا کہ قرآن مجید کے لفظ کے اطلاق سے ودیة مسلمة الی اهله میں لفظ دیت چونکہ مطلق آیا ہے یہی مؤمن کے لیے بھی استعمال ہوگا یہی ذمی کے لیے بھی گویا مقصود یہ ہے کہ یہی لفظ دیت ہے۔ جس سے سواونٹ مؤمن کی دیت مراد لی جاتی ہے۔ اور اسی سے ذمی کی سواونٹ۔ لفظ کے اطلاق سے یہ ممکن نہیں کہ ذمی کے لیے اور دیت مقرر کی جاتی اور مؤمن کے لیے مقدار اور احناف نے امام رازی کو یہ جواب دیا۔ اس پر امام جصاص نے احناف کی طرف سے جواب دیتے ہوئے اسی اصول کو بیان کیا ہے۔ جس کا ایک حوالہ میں عرض کر چکا ہوں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ " کانوا یعرفون قبل ذالك مقادیر الدیات" یعنی پہلے سارے لوگ دیت کی مقداریں جانتے تھے اور وہ مقداریں معلوم تھیں۔ چونکہ لفظ دیت مطلق آیا ہے تو اس لیے وہی دیت جو مؤمن کی ہے وہی یہاں مراد لی جائے گی۔ چنانچہ جصاص فرماتے ہیں۔

" فوجب ان تکون دیة المذکور للکافر هی التی ذکر للمسلم"

فرماتے ہیں کہ جو مقدار دیت مسلمان کے لیئے ہو من وعن وہی کافر کے لیے بھی ہو۔ جس طرح کہ مسلمان کی دیت معلوم و متعارف تھی۔ اور اگر مقدار دیت مسلمان کی اور ذمی کی برابر نہ ہوتی تو یہ لفظ مجملاً آتا۔

گوہر الرحمٰن صاحب اور قادری صاحب اس تمام تقریر کے باوجود آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ امام جصاص بھی عورت کے لیے نصف دیت ہی کے قائل ہیں۔

طاہر القادری صاحب: اب حضرت نے دعویٰ اجماع کی جو بات کی ہے اس میں تین چار نکات اکٹھے نپٹ جائیں گے مولانا گوہر الرحمٰن صاحب نے یہ جو کہا کہ اجماع سکوتی نہیں اجماع صریح ہے۔ اور زمانہ نکل جائے مگر اختلاف منقول نہ ہو تو امام شافعیؒ بھی اس اجماع کو حجت مانتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی حوالہ دیا۔ کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں عورت کی نصف دیت پر اجماع لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی شخص اختلاف کرنے والا ثابت نہیں۔ اسی طرح بہت سارے علماء اور ائمہ کے دعویٰ اجماع کو بیان فرمایا اب ہم . . . .

مسئلہ اجماع پر اور علماء کا یہ لکھنا کہ اس پر کوئی اختلاف نہیں اور سارے مانتے چلے آئے ہیں اس کو اصولی بنیادوں پر پرکھ لیتے ہیں۔ اجماع پر گفتگو کرنے کے کئی پہلو ہیں۔ اور ہر ہر پہلو اور ہر ہر رخ

پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ لیکن مولانا نے جس انداز سے بات کی ہے میں صرف اسی کا جواب دوں گا باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ائمہ کا علماء کا، فقہاء کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ اپنے مذہب مختار کو دعویٰ اجماع سے بیان کرتے ہیں۔ ہدایہ کو دیکھئے بدائع الصنائع کو دیکھیے بدائع الصنائع تو ہر تیسری چوتھی لائن کے بعد اجماع کا لفظ لاتا ہے۔ وہ اعتماد اُجتنے اقوال ان کے پاس صحت کے ساتھ ان کے نزدیک حجیت اور قبولیت کی شرائط پر پورے اترنے والے ہوں ان تک پہنچے ہوتے ہیں لہذا ان کو وہ اہل علم کا اجماع قرار دے دیتے ہیں اور ان کے خلاف چونکہ ان کے پاس دوسرے اہل علم کے اقوال عدم نقل کی وجہ سے پہنچے نہیں ہوتے اس لیے وہ پہلی بات پر اجماع قرار دے کر کہہ دیتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں۔ یہ ایک طریق کار رہا ہے۔ اس پر بہت سی باتیں ہیں لیکن میں امام شافعیؒ کے دعویٰ اجماع کی بات کرتا ہوں۔ امام شافعیؒ کے بارے میں میں ایک کتاب عرض کرتا ہوں کتاب کا نام ہے "الاحکام فی اصول الاحکام" ابن حزم کی کتاب ہے اس میں وہ فرماتے ہیں۔ ص۵۴۲۔ ایک طرف تو ادباً احتراماً ہماری زبانیں خاموش ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام کے اختلاف کے بارے میں خاموش ہیں۔ صحابہ اور ائمہ کا احترام تو ہمارا جزءِ ایمان ہے۔ ہم ان کے قدموں کی خاک کو بھی اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں۔ ان پر طعن کرنا انکار کرنا، ان کا استہزاء کرنا معاذ اللہ ہمارے ایمان کے بھی خلاف ہے۔ ایمان کا روح رواں بھی ادب ہے۔ ادباً ہماری زبانیں خاموش ہیں۔ میں صرف امام شافعی کا وہ دعویٰ اجماع نصف دیت پر اور یہ فرمانا کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، وہ اور صرف ان کے اصول کا بیان عرض کر دیتا ہوں امام شافعی کے رسالے کے حوالے سے۔ ص۵۴۲ پر ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں: "مالا یعلم فیہ خلاف فلیس اجماع" یہ کہنا کہ اس کے خلاف ہمارے علم میں کوئی بات نہیں آئی یہ اجماع نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا ایک قول جسے ابن حزم نے نقل کیا ہے۔ اور دیگر بہت سے حنابلہ کا۔ کسی کا اختلاف معلوم نہ ہونا اور کلیۃً کسی کا بھی اختلاف نہ کرنا ان دو باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ واقعۃً جس طرح عدم نقل عدم وجود کو مستلزم نہیں۔ عین ممکن ہے کہ ایک چیز نقل نہ ہوئی ہو وہ قول لاکھوں ہزاروں صحابہ و تابعین تک نہ پہنچا ہو کہ وہ اس پر اختلاف کرتے ہیں یا نہیں۔ یا اگر ہوا بھی ہو تو وہ کسی صحیح روایت سے ائمہ تک پہنچا نہ ہو۔ ہزاروں اسباب ہو سکتے ہیں۔ اختلاف کے

نہ ملنے کے ۔چونکہ اختلاف کا نہ ملنا اجماع قطعی کو اس واسطے مستلزم نہیں ہوتا کہ ممکن ہے کسی نے اختلاف کیا ہو۔ اس واسطے فرمادیا کہ اگر کسی کا بھی اختلاف معلوم نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ یہ اجماع ہو۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل نے فرمایا" من ادعی الاجماع فھو کذاب "میں امام احمد بن حنبل کے قول کا ناقل ہوں۔ میں اس ضمن میں کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہتا آپ نے فرمایا کہ جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے ۔ اور صاف ظاہر ہے اور مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ امام صاحب یہاں اجماع قطعی کی بات کر رہے ہیں اجماع ظنی نہیں. فرماتے ہیں کہ لوگ یہ کہا کریں کہ ہمیں اس پر کسی کا اختلاف معلوم نہیں ۔ یہ نہ کہا کریں کہ اس میں اختلاف ہوا ہی نہیں ۔ پتہ نہیں کسی نے اختلاف کیا ہو اور آپ کو معلوم نہ ہو

اب امام شافعیؒ کا معاملہ لیجیے۔ امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں "الاحکام "ص ۵۴۲ پر اجماع کی بات کرتے ہوئے کہ میں خود ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ چار سو مسائل ایسے ہیں جن میں امام شافعی نے اختلاف کیا ہے اور وہ اجماعی مسائل تھے ۔ فرمایا:

انہ وجد للشافعی اربع مأۃ مسئلۃ خالف فیہ الاجماع۔

اجماع کی جہاں تک بات ہے ۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ سوائے نماز کے، اور کلمۂ شہادت کے اور چند وہ چیزیں جن پر پوری امت کا اجماع ہے ۔ انہوں نے مثالیں بھی دی ہیں فرماتے ہیں کہ عام چیزوں میں اجماع قطعی کا تصور بھی ممکن نہیں ۔ یہاں تک کہ اذان جیسی اہم چیز جو دن میں پانچ مرتبہ دی جاتی اور جس کو تمام لوگ سنتے ہیں ۔ اس اذان کے کلمات میں بھی ترجیع اور عدم ترجیع پر اختلاف موجود ہے ۔ یہ ابن حزم کہتے ہیں اب اذان جیسے مسئلے پر بھی جب اختلاف موجود ہے تو کیا دیت کا مسئلہ اذان سے بھی زیادہ معروف و مشہور اور معلوم و متواتر تھا کہ اس میں کوئی اختلاف کبھی امت مسلمہ میں ہوا ہی نہ ہو گا ۔ وہ کہتے ہیں کہ اختلاف ہوتا ہے ۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ہر ایک تک وہ اختلاف پہنچا ہو۔ اب میں اس کی چند مثالیں دیتا ہوں کہ کتنے معاملات میں ہماری کتابوں میں دعویٰ اجماع منقول ہے مگر اس میں اختلاف بھی ہے ۔ جس طرح دیت کے مسئلے پر دعویٰ اجماع موجود ہے اس طرح اور کئی مسائل پر دعویٰ اجماع موجود ہے ۔ لیکن اس کے باوجود اختلاف بھی موجود ہے ۔ اب یہ تغلیظ دیت کا معاملہ ہے ۔ ذرا غور فرمائیں یعنی حرم میں اگر کوئی قتل ہو

جائے تو امام شافعی کا قول ہے کہ تغلیظ دیت سزا کے طور پر ایک تہائی تک بڑھایا جائے گا۔ اس کو بیان کرتے ہوئے امام شافعی نے فرمایا: نیل الاوطار جلد ۷ ص ۱۴۲ پر فرمایا: تمام صحابہؓ کرام نے حرم میں قتل ہونے سے دیت کی تغلیظ پر تو اختلاف ہے لیکن نفس تغلیظ میں کوئی اختلاف نہیں امام شافعی نے اس پر صحابہ کا اجماع بیان کیا جب کہ روایات میں حضرت عمر کا تغلیظ نہ کرنا حضرت علی کا قول عدم تغلیظ کا اور احناف کا تغلیظ کی مخالفت کرنا ثابت ہے۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب: بات اجماع کی ہو رہی تھی۔ تغلیظ تو ہم سب جانتے ہیں کہ جائز ہے۔ واجب نہیں ہے۔

طاہر القادری صاحب: حضرت جب آپ گفتگو فرما رہے تھے۔ میں نے مداخلت نہیں کی۔ دوران گفتگو اگر یہ بات چلے گی تو پھر مزہ نہیں رہے۔ گا۔ میں بات سمیٹ رہا ہوں اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ قصاص میں اگر مرد عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں مرد کو قتل نہ کیا جائے یہ قول موجود ہے لیکن یہ بات ہمارے علم میں ہے۔ کہ قصاص میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ لیکن یہ لکھا گیا ہے۔ کہ اس پر اجماع ہے کہ مرد عورت کا قصاص برابر ہے۔ دعوٰی اجماع ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علی، حسن اور عطاء سے عورت کے مرد قاتل سے عدم قصاص کی بات منقول ہے۔ گویا اس اجماع کے دعوٰی کے خلاف بھی اقوال موجود ہیں اسی طرح ثلث دیت کے معاملے میں عمر بن شعیب بن حزم کی جو روایت مولانا نے بیان فرمائی تھی کہ حضور نے فرمایا تھا کہ ثلث دیت تک دیت برابر ہے۔ تو ثلث دیت تک برابری کی روایت کی بنیاد پر ابن قدامہ نے المغنی میں اور شرح الکبیر میں اور ابوالولید باجی نے المنتقی جلد ۷ ص ۹۱ میں اور بہت ساری کتابوں میں دعوٰی کیا ہے۔ کہ ثلث دیت تک برابری میں تمام صحابہ کا اجماع ہے اجماع صحابہ کا دعوٰی لکھا ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کسی ایک کا اختلاف منقول نہیں حالانکہ اس کے برعکس اختلافات کتابوں میں ثابت ہیں احناف کی کتابوں میں بھی ہے۔ امام شافعی نے بھی لکھا ہے۔ حالانکہ دعوٰی اجماع بھی ہے اور یہ بھی دعوٰی ہے۔ کہ کسی ایک کا اختلاف موجود نہیں پھر بھی اختلاف موجود ہے۔ اسی طرح بدائع الصنائع دس ہزار اور بارہ ہزار درہم کی مقدار کے اندر ایک طرف دعوٰی ہے۔ کہ بارہ پر اجماع ہے۔ اور دوسری طرف دس ہزار پر۔ امام مالک نے دعوٰی فرمایا مؤطا میں کہ اگر

منکر مدعی ہے۔ تو ردیمین اس پر واجب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ردیمین اس پر واجب ہے اور کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے اور اتنا بڑا اجماع ہے۔ کہ اشخاص میں سے کسی ایک کا بھی اس میں اختلاف نہیں اور شہروں میں سے کسی شہر میں اس پر اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اتنا بڑا اجماع ہے۔ اس پر دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ردیمین کا وجود معتبر نہیں اور ائمہ کا اس میں اختلاف موجود ہے۔ اور ابن حزم نے لکھا ہے ردیمین کے منع کرنے والوں کی تعداد اس کے ماننے والوں سے زیادہ ہے۔ مخالف لوگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے۔ اور ایک اختلاف بھی ثابت نہیں۔ میں ان گذارشات کے ساتھ اجماع والی اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں یہ نصف دیت کا مسئلہ اجماع قطعی نہیں۔ یہ اکثریتی اجماع ہے۔ یہ اہل علم اور فقہاء میں سے اکثریت کی رائے ہے۔ اکثریت کا قول ہے۔

<u>جناب ریاض الحسن نوری صاحب</u>: اکثریتی اجماع نہیں بلکہ اکثریتی قول ہے۔

<u>طاہر القادری صاحب</u>: وہ اکثریت کو بھی اجماع کی تعریف لکھتے ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ اختلاف پایا جائے۔ تو اجماع نہیں ہوتا۔ یہ اصول کہ اکثریت کو بھی اجماع کے طور پر لیتے ہیں یہ معتزلہ کا ہے۔ لیکن اشاعرہ کا اصول نور الانوار میں ہے۔ کہ اختلاف پایا جائے تو اجماع نہیں ہوتا۔ تو میں آخری کلمہ کے طور پر عرض کروں گا کہ عورت کی دیت کا نصف ہونا اکثریتی قول ہے یہ اجماع نہیں ہے۔ اگر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو اکثریتی قول ہونے کی بنا پر بالکل اسی ڈھب پر جس طرح باقی بیسیوں حوالے میں نے عرض کیے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ عورت کی نصف دیت کا مسئلہ اکثر فقہاء کا قول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ اجماع قطعی نہیں۔

<u>مولانا گوہر الرحمٰن صاحب</u>: عرض یہ ہے۔ کہ اگر اس بات کا فیصلہ کرنا ہو تو پھر کوئی حکم ہونا چاہیئے کوئی ثالث ہو جو حضرت کی بات بھی سنے جس کو خود بھی علم ہو ہمارے دلائل بھی سنے اور فیصلہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ ایک پارٹی اپنی بات پورے دلائل سے بیان کرے۔ اب اگر صرف دلائل کے ساتھ پیش کرنا ہی مقصد ہے۔ تو میں نے تو صرف اختصاراً بات کی تھی اور یہ ضرورت نہیں محسوس کی تھی کہ پوری گردان کو دہرایا جائے اس لیے کہ کافی دنوں سے یہ مسئلہ چل رہا

ہے۔ حضرت کا انٹرویو بھی چھپا ہے۔ ترجمان القرآن میں میری گزارشات بھی چھپی ہیں۔

طاہر القادری صاحب: میں نے اس وقت جو کچھ عرض کیا ہے وہ اخبار میں نہیں چھپا ہے۔

گوہر الرحمٰن صاحب: میں نے تو یہ کہا کہ اس کو دوبارہ گردان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

طاہر القادری صاحب: نہیں نہیں ہر گز نہیں۔

سراج منیر صاحب: میں آپ سے عرض کروں کہ یہ مذاکرہ تو شائع ہو گا "منہاج" میں اور نہ اس میں کوئی حکم ہو گا۔ اس لیے کہ اگر حکم کا معاملہ ہو تو پھر پہلے یہ طے ہو کہ کون حکم ہو؟ اس لیے تمام دلائل یعنی جزوی بعض تفصیلی یا یہ کہ پوری کیفیت دلائل مرتب ہو کر سامنے آجائے تاکہ اس سے آگے نتائج مرتب کرنے میں مدد مل سکے۔ اور "منہاج" میں اس کا پبلش ہونا معاملے کا اختتام نہیں بلکہ یہ کہ ایک پوری صورت صاف ہو کر سامنے آجائے گی کہ دلائل کی کون کون جہات ہیں۔ تو یہ مقصود ہے۔ اس کا۔ اور مذاکروں میں عام طور پر کوئی فیصلہ مقصود ہوتا بھی نہیں۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ جو موقف ہیں وہ سامنے آجائیں اور دلائل کے ساتھ سامنے آجائیں۔ یہ تو بات ابھی کھل رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک ہی بار سارے دلائل سامنے آجائیں تو اب میں گزارش کرتا ہوں مفتی غلام سرور قادری صاحب سے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب: حضرت مذاکرے کا اس پہلو کا کیا فائدہ ہوا۔؟ مولانا نے جو میری بات پر اعتراضات کیے ہیں اس کا میں جواب دوں پھر وہ میرے جوابات دیں مثلاً میں کہہ سکتا ہوں کہ جن حضرات کا آپ نے حوالہ دیا ہے کیا وہ نصف دیت کے قائل نہیں؟

ہاشمی صاحب: حضرت آپ کا یہ ایک سوال آگیا نا۔ یہ اب ریکارڈ پر آگیا ہے۔

گوہر الرحمٰن صاحب: اسی طرح ذمی کی دیت میں میں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی تھی اب جناب نے پکڑ لیا کہ شاید میری اصل دلیل یہی ہے۔ احناف کی اصل دلیل تو ذمی اور مسلمان کی دیت برابر ہوتے میں نصوص میں آیت کا عموم ہے۔ احادیث کا عموم ہے اور دیگر نصوص

ہیں۔ یہ تو عقلی مصلحت کی بنیاد پر کیا تھا کہ یہ عقلی مصلحت ہے۔ یہ نہیں کہ یہ دلیل تھی۔ یہ کہ آیت مجمل نہیں تو کیا ساری تفسیرات معطل ہو گئیں۔ یہ دیت کون دے گا۔؟ آپ فرماتے ہیں کہ معاوضہ ہے۔ اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ سزا ہے۔ تو دیت قاتل دے گا یا عاقلہ دیں گے۔

طاہر القادری صاحب: بدائع الصنائع نے واضح کر دیا ہے کہ قاتل کے ذمہ قرآن نے رکھا ہے۔ اور عاقلہ کو عرف نے مجبور کیا ہے۔

گوہر الرحمن صاحب: نسائی کہتے ہیں کہ عاقلہ دیں گے اور آپ کہتے ہیں کہ بدائع الصنائع کہتا ہے کہ قاتل دے گا۔

طاہر القادری صاحب: رفقاً عاقلہ کو شامل کیا گیا ہے۔

گوہر الرحمن صاحب: اگر یہ سزا ہے تو سزا تو کفارہ ہے۔ جو اللہ نے مقرر کی ہے کہ قتل خطا کی صورت میں اس کو کفارہ دینا چاہیئے۔ اور دیت عاقلہ دیں گے۔ آپ کہتے ہیں کہ درمیان میں بات کرنا مناسب نہیں تو نتیجہ کیا نکلا؟ میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ بخاری میں نصف آئی ہے، یہ دعویٰ ہی ہے۔ جب تک کہ اسکو پرکھا نہ جائے۔

ریاض الحسن نوری صاحب: کیا یہ حوالہ غلط ہے؟

ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی صاحب: یہ جو ابھی پچھلی میٹنگ ہوئی ہے۔ جس میں دوالیبی اور مصطفےٰ زرقا آئے ہوئے تھے۔ اس میں وہ میٹنگ جو کلاء کے ساتھ ان کی ہوئی۔ اور جو میٹنگ عورتوں کے ساتھ ہوئی اس میں میں شامل تھا۔ میں نے اپنے نقطہ نگاہ سے اس معاملے پر غور کیا ہے۔ اس کی اہمیت کیا ہے۔ یہ جو بال کی کھال اتاری جارہی ہے۔ اس کی عملی اہمیت کیا ہے۔ اس دوران میں یعنی پچھلے دو ہفتے کے دوران میں کئی سلشین ججوں سے ملا ہوں اور جتنے بھی سیشن ججوں سے ملا ہوں چونکہ میں وکالت کے پیشے سے تعلق رکھتا ہوں۔

میں نے سب سے یہ پوچھا ہے کہ کیا عورت کے قتل خطا کا بھی کوئی کیس آپ نے سنا ہے؟ کسی نے یہ نہیں کہا کہ کبھی کوئی عورت کے قتل خطا کا کیس اس نے سنا ہے۔ میں دو تین ہفتوں سے کئی پرانے پرانے سیشن ججوں سے بھی ملا ہوں۔ جو ریٹائرڈ ہو گئے ہیں یا اس وقت جسٹس ہیں یا سیکرٹری ہیں یا جج ہیں۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس نے

عورت کے قتل خطا کا کوئی کیس اس نے ٹرائی کیا ہے۔ اوّل تو عورت کے قتل خطا کا کیس بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اور جو ہوتا ہے وہ قصاص کا ہوتا ہے۔ فاحشہ تھی تو کسی نے مار دیا۔ کسی کو شک پڑا اس کے کردار پر یا کوئی اور ایسی بات ہوئی تو اس میں قصاص ہے۔ لیکن قتل بالخطا جس کو کہتے ہیں کسی جج نے آج تک مجھے نہیں کہا کہ عورت کے قتل خطا کا کیس اس کے پاس آیا ہے۔ چنانچہ اس کی پریکٹیکل اہمیت ایسی نہیں تھی جس کی بنیاد پر مسودہ جو آرہا تھا اس کو روک لیا گیا ہے۔ ایک بحث ایسی پیدا کرکے اور ایک انتشار پیدا کرکے علمی طور پر۔ اِس بحث کا صرف یہ نتیجہ نکلا ہے میں نے عورتوں کی بھی میٹنگوں میں شرکت کی ہے۔ عورتیں دو قسم کا ذہن رکھتی ہیں ایک تو وہ جو کہتی ہیں کہ عورتوں کو مرد کے برابر ہونا چاہیئے ہر حال میں ان کا ایک ذہن ہے اب آپ ان کو کس کس معاملے میں برابر کریں گے ؟ ایک عورت نے مجھ سے بڑی اچھی بات کہی اس نے کہا کہ اگر آپ ایک حکمت کو علّت کہیں اور کہیں کہ حکمت یہ ہے کہ کفالت کرتی ہے۔ چونکہ عورت کبھی، کفالت کرنے لگے تو دیت کفالت کا بدل ہے۔ اگر عورت بھی کفالت کرنے لگے تو حکمت کو ایکسٹنڈ (EXTEND) کر دیں حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ علت ایکسٹنڈ ہوتی ہے۔ حکمت ایکسٹنڈ نہیں ہوتی۔ دوسری عورت کہنے لگی کہ اگر آپ نے عورت کو مرد کے برابر کرنا ہے۔ اور آپ کے ذہن میں ہے۔ کسی نہ کسی طرح ان کو برابر کر دیں تو پھر وراثت میں بھی کریں گے آپ۔ یہ ایک عورت کا سوال ہے۔

چنانچہ جن عورتوں کے ہاتھ میں آپ یہ فقہی دلائل دے رہے ہیں وہ وہ عورتیں ہیں جن کی ذہنیت یہ ہے کہ ہمیں مردوں کے برابر کیا جائے ان کے ذہن میں اور کوئی بات نہیں۔ اور جن ائمہ فقہاء سے یہ روایت کی جاتی ہے کہ ہر مومن کی دیت سو اونٹ ہے وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کی دیت نصف ہونی چاہیئے تو ایسی قطعی ضرورت دینی سے کسی کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی جو کہتے ہیں کہ دیت نصف ہونی چاہیئے اس بات

کو چھیڑ کے صرف آرڈیننس کے نفاذ میں تاخیر کی جا رہی ہے ۔ ان عورتوں کے ہاتھوں میں دلائل دیئے جا رہے ہیں جو مرد کے ساتھ برابری کرنا چاہتی ہیں، اور ذہن بھی جدید رکھتی ہیں ورنہ عملی طور پر اس اجتہاد کی قطعاً کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کہ عورت کے قتل بالخطا التعداد ہو رہے ہیں اور ایسی عورتوں کے قتل ہو رہے ہیں جو کنبے کی کفالت کرتی ہیں اور اگر ان کی برابر دیت نہیں دی جائے گی تو ان کی بہت بڑی حق تلفی ہوگی ۔ ہمارے معاشرے میں قتل خطا کا کیس کسی سیشن جج نے مجھے نہیں بتایا کہ اس نے کیا ہے ۔ اس لئے میری گذارش ہے کہ آپ اس دیت کے مسئلہ کو قومی سطح پر منتشر نہ کریں علمی سطح پر جتنی مرضی ہے بال کی کھال اتاریں لیکن میں آپ کے گوش گذار یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس کو اپنے لیول تک رکھیں بے دین عورتوں کے ہاتھوں میں آپ بیور (ڈنڈا) نہ دیں ۔ یا یہ کہ آرڈیننس کے نفاذ میں رکاوٹ پڑے آرڈیننس کو نافذ ہونے دیں بہر حال انگریز کے قانون سے تو اچھا ہے اگر آپ اس میں سمجھتے ہیں کہ ایک دو جزئیہ نصوص شرعیہ سے متصادم ہو جائیں گے تو پھر بعد میں وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر کے ٹھیک کر لیں ۔ آپ قوم میں انتشار نہ پیدا کریں ۔ اس بحث سے میری یہ گذارش ہے کہ عملی افادیت اسکی کچھ بھی نہیں ہے علمی آپ کے نزدیک جتنی بھی ہو ۔

<u>زبیدہ واصل</u>: میں جناب طاہر القادری صاحب سے چند سوالات پوچھنا چاہتی ہوں کیا اجازت ہے؟

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔

<u>سراج منیر صاحب</u>: ہاں آپ پوچھیئے ۔

<u>زبیدہ</u>: حضرات ! بات یہ ہے کہ میں ذرا دیر سے آئی ہوں جب میں آئی ہوں تو اس وقت بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک لڑکا جو قتل کر دیا جاتا ہے چند دن کا یا چند سالوں کا اگر اس کی دیت پوری ہے تو عورت کی آدھی کیوں؟ اگر آپ یہ سوال کرتے ہیں تو میں آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ اگر بھائی فوت ہو جائے تو بھتیجیوں کو محروم کر کے بھتیجوں کو کیوں وارث بنایا جاتا ہے؟ آخر ہمارے کچھ اصول ہیں قرآن حکیم ہے ہمارے معاشرے کے کچھ

اصول ہیں کچھ خاندانی اصول ہیں جو صحیح بھی ہیں اور اسلام نے ان کو برقرار بھی رکھا ہے۔ اگر آپ اس بات پر اعتراض اٹھا سکتے ہیں کہ بچے کی تو پوری دیت ہے اور عورت کی آدھی ہے تو اس بات کا جواب دیجیئے کہ بھائی کی وفات کے بعد بھتیجی کو کیوں محروم کیا جاتا ہے؟ جب کہ بھتیجی زیادہ مجبور ہوتی ہے۔ دوسری بات مولانا نے یہ فرمائی تھی کہ مغربی عورت کما رہی ہے۔ مغربی چھوڑ اب تو مشرقی عورت بھی کما رہی ہے آپ کے ملک میں خدا کے فضل و کرم سے یہ نعمت غیر مترقبہ تشریف لا چکی ہے۔ لیکن اس کے جو نتائج ہیں وہ بھی ہم سب کے سامنے ہیں آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا اسلام نے عورت کو کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے؟ کیا یہ بات اپنی جگہ صحیح تھی یا غلط تھی۔ اگر یہ بات غلط تھی تو آپ بتائیے کہ مغربی عورت جو اس وقت کفیل ہے اس کے نتائج کیا ظاہر ہو رہے ہیں کیا وہی نتائج آپ بھی بھگتنے کے لیے تیار ہیں؟ کہ عورت کفیل بھی بنے اور بچوں کی ماں بھی ہو اور ان کی نگہداشت سے دست بردار ہو جائے۔

اس کے بعد مولانا نے یہ فرمایا تھا کہ دورِ جاہلیت میں بھی دیت کا مسئلہ تھا اور امیر غریب کا فرق تھا دوسری بات انہوں نے یہ فرمائی تھی کہ عورت کی دیت پانچ اونٹ تھی۔ اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ عورت پر اسلام کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ایک معقول تعداد متعین کر دی اور اس کو امیر و غریب سب کے لیے برابر کر کے ہم پر احسان کیا نہ یہ کہ ہم اس پر اصرار کریں۔ جب تم ایک امیر کی بھی سو اونٹ رکھتے ہو اور غریب کی بھی تو اس صورت میں غریب اور امیر کی جان برابر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔ لہذا عورت اور مرد کے معاملے میں جہاں تک احترام نفس اور جان کا تعلق ہے اسلام میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں نہ ہی عورت کی دیت کے نصف ہونے سے یہ مطلب ہے کہ اسلام عورت کو کمتر یا کہتر سمجھتا ہے۔ یہ جو خواتین شور مچا رہی ہیں چونکہ میں بھی ایک خاتون ہوں اور میں جانتی ہوں کہ یہ کس لیے شور مچا رہی ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کس کی شہ پہ شور مچا رہی ہیں اور یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ غیر ملکی طاقتیں ہیں جہاں سے ان کو اکسایا جا رہا ہے اور جہاں سے ان کو استعمال

کیا جا رہا ہے اور صرف پاکستان ہی نہیں تمام دنیائے اسلام میں یہ تحریکیں چل رہی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو ڈھایا جائے کیونکہ اسلام ایک دینی طاقت بن کر آج کل ابھر رہا ہے اسلام کے مخالفین کے ہاتھ پاؤں اس وقت پھول چکے ہیں اور جس جس ملک میں جس جس طرح ان کا داؤ چل رہا ہے وہ اپنے گماشتے داخل کر رہے ہیں اور ایسے ایسے اعتراضات کھڑے کر رہے ہیں کہ عورت اپنی اصل حیثیت کو بھول جائے اور اللہ و رسول سے دور ہو جائے لیکن اللہ کے فضل سے تمام اسلامی ممالک میں اسلام کی لہر دوڑ پڑی۔ آگے مولانا نے بات فرمائی تھی فقہاء کی فقہاء کے نزدیک اجماع وہ ہے جو ان کے مکتبۂ فکر میں رائج ہو یا وہ جو ان کے علماء بات کہیں۔ تو میری عرض یہ ہے کہ اسلام میں علماء کا ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو محققین اور فقہائے امت کی رائے کو بھی پرکھتا ہے اور براہ راست قرآن و سنت سے ہدایت بھی حاصل کرتا ہے اور فقہاء کی آراء سے بھی استنباط کرتا ہے اور پھر مسائل کا حل تلاش کرتا ہے ہمیں جب بھی رہنمائی کی ضرورت ہوگی انہی سے ہمیں رہنمائی ملے گی۔ انہی سے ہمیں لینا پڑے گا انہی سے تلاش کیجیے۔ نئی راہیں تلاش کرنے کا یہ کون سا وقت ہے جیسا کہ میرے دوسرے بھائی نے فرمایا تھا۔ کیا یہ وقت اس قسم کے مسائل اٹھانے کے لیے موزوں ہے؟ جو ہمارے ملک کی حالت ہو چکی ہے۔ اور ایک بات اور عرض کرنا چاہتی ہوں، قصاص کے بارے میں تو قرآن میں فیصلہ ہو گیا۔ یعنی ناک کان ہونٹ اور دانت وغیرہ ائمہ کے ہاں اگر کوئی اختلاف ہے تو بہر صورت دیت کے بارے میں ہے۔ لیکن حضرت عمر چونکہ خلیفہ ثانی اور صحابی رسول تھے لہٰذا ان کا فیصلہ فقہاء پر مقدم رکھا جائے گا کیونکہ حدیث ما انا علیہ واصحابی صحابی فقہاء کے اقوال کو صحابہ کرام کے بعد رکھا جائے گا۔

یہ تھے میرے سوالات مہربانی فرما کر ان کے جوابات دیے جائیں اور مجھے مطمئن کیا جائے۔

محترمہ خورشید النساء صاحبہ حضرات علماء کرام! اسلام علیکم۔

مجھے ان صاحب سے جنہوں نے اپنے خیالات کا اظہار بعد میں کیا۔ خیر انہوں

نے جو کچھ کہا وہ تو کہا لیکن لفظ انتشار استعمال کر کے ہماری مذہبی خودداری کو للکارا ہے۔ انہیں یہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے فریق کی صراحتاً بے عزتی کی ہے۔

ہاشمی صاحب نہیں محترمہ! یہ بے عزتی نہیں کی۔

خورشید النساء ہر حال انہیں لفظ انتشار نہیں استعمال کرنا چاہیئے تھا دوسرا انہوں نے یہ فرمایا کہ آج اگر دیت پوری کرنے کی بات ہے تو کل وراثت کو بھی پورا کرنا ہوگا تو گذارش یہ ہے کہ اگرچہ میں آپ کے سامنے عالمہ تو نہیں ہوں تھوڑا بہت پڑھ لکھ گئی ہوں یہ کہوں گی کہ قرآن کی وہ آیات جن میں عورت اور مرد کے احکام الگ الگ بیان کیے گئے ہیں ان میں تو اجماع کی یا مذاکرے سے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے وراثت کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ "للذکر مثل حظ الانثیین" تو کون بیوقوف عورت ہے جو اس صراحت کے بعد مرد کے برابر حصہ چاہے گی۔ ہاں وہاں مذاکرہ ہوسکتا ہے جہاں یہ صراحت مذکور نہیں۔ جیسا کہ "دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اور تحریر رقبة مؤمنة اور دية مسلمة" میں مرد اور عورت کی تصریح نہیں ہے۔ یہاں مذاکرہ ہوسکتا ہے۔

سراج منیر صاحب :۔ خواتین کے سوالات کا تعلق بالخصوص طاہر القادری صاحب سے ہے تو میرا خیال ہے کہ نہایت مختصر وقت میں ان کے جوابات دے دیں پھر مفتی غلام سرور قادری صاحب اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

طاہر القادری صاحب :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محترمہ! آپ نے جو پہلا سوال فرمایا کہ بچے کی دیت پوری ہے تو عورت کی کیوں نہیں؟ آپ چونکہ دیر سے تشریف لائیں آپ کو اس کے سیاق وسباق کا علم نہیں کہ بات کہاں سے چلی تھی اور کس سوال کا جواب تھا اور اس کا پس منظر کیا تھا۔ قطعاً ہم نے بچے کی دیت کو عورت کی دیت کی برابری کے لیے بطور دلیل کے لیا ہی نہیں، نہ میں اس ضمن میں بیان کر رہا تھا۔ ہماری دلیل تو ہے قرآن و سنت کی نصوص سے اسی لئے ہم مرد و عورت کی دیت کو برابر سمجھتے

ہیں۔ یہ بات اس لئے ہو رہی تھی کہ دیت کو مالی منفعت کے طور پر ذکر کیا گیا تھا تو میں نے یہ کہا تھا کہ پھر اس بچے کے مرنے سے کون سا مالی نقصان ہوا ہے کہ دیت اس کا معاوضہ بن سکے۔ میں نے اس ضمن میں دیت کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے تمیں حوالے دیئے تھے کہ دیت خون کی قیمت ہے آپ اس کے بعد پہنچیں جب میں اس کی عقلی توجیہ کر رہا تھا۔ میں تو صرف یہ عرض کر رہا تھا کہ دیت مالی نقصان کا معاوضہ نہیں۔ اگر مالی نقصان کا معاوضہ ہوتی تو دو منٹ کے بچے کے لیے جوان کمانے والے مرد کے برابر نہ ہوتی۔

نمبر ۲ آپ نے فرمایا اسلام نے عورت کو مال کفالت سے آزاد رکھا ہے۔ بجا ہے، اسلام نے عورت کو مالی کفالت سے آزاد رکھا ہے۔ ہم یہی بات کر رہے تھے کہ عورت کی دیت کے ساتھ معاشی کفالت کا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا موقف ہی یہ ہے۔ بلاوجہ اس کو اس میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن عورت کا کفالت سے آزاد ہونے کا تعلق دیت سے نہیں۔ مسئلہ دیت کا تعلق خون کے احترام سے ہے۔

یہ جو آپ نے فرمایا کہ اسلام نے احسان کیا۔ بے شک اسلام نے ہر ایک پر احسان کیا اور جو شخص اسلام کے احسان کا انکار کرتا ہے اس سے بڑا کافر کون ہے؟ یہ مسئلہ تو فریقین میں قطعاً مختلف فیہ نہیں ہے۔ ہر کوئی احسان کو مانتا ہے۔ یہ بات جو آپ نے کی کہ یہ باہر کی شے ہے اور ایسے ویسے معاملات تو ہم اس معاملے میں خاموش ہیں۔ ہمیں تو محترم ہاشمی صاحب نے اس علمی مذاکرے میں اس موضوع پر اظہار خیال اور دلائل کے تبادلے کے لیے مدعو فرمایا ہم حاضر ہو گئے باقی معاملات تو حکومت سوچنے والی ہے۔ باہر کے معاملات اور الزامات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

<u>ریاض الحسن گیلانی</u>: جناب مفتی صاحب! مغرب کا وقت شروع ہونے والا ہے آپ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

اسماعیل قریشی صاحب : میں متین ہاشمی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے مدعو فرمایا تو اس سلسلے میں میرے قابل احترام دوست ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ایک نکتہ اٹھایا ہے کہ اس کی عملی افادیت کیا ہے اور اس کو کیوں اٹھایا گیا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے وہ جانتے ہیں کہ قانون اس پر بنایا جاتا ہے کہ جتنی صورتیں ممکن ہوتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر قانون بنایا جاتا ہے ۔ اگر قتل خطا کا کیس کسی سیشن جج کے پاس نہیں بھی آیا تو اس سے یہ مفہوم نہیں اخذ کیا جاسکتا کہ قتل خطا کا یہاں جواز کیا ہے؟ یا اس کی دیت کیا ہے؟ یا اس کا قصاص کیا ہے؟ یہ بات نہیں تھی چونکہ قرآن اور حدیث میں کوئی نص قطعی نہیں تھی تو اس لیے یہاں ایک چیز پیدا ہو گئی تھی اور اگر ہے بھی تو اس سلسلے میں اظہار خیال ہو رہا تھا چونکہ قانون بنایا جا رہا تھا ۔ جہاں تک قانون کے نفاذ کا تعلق ہے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ اگر حکومت چاہے تو کر دے ۔ نظریاتی کونسل کو ریفر کرے جو بھی ہے قانون آپ نافذ کر دیجیئے جو بھی فریق یہ سمجھے کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو شریعت کورٹ موجود ہے اس میں چیلنج کر دے ۔ یہ بحث جو اٹھ کھڑی ہوئی ہے نفاذ کے لیے مانع نہیں ہو سکتی ۔ یہ ایک غلط دلیل ہے ۔ حکومت کے دماغ میں اگر یہ سوچ ہے تو فوراً دماغ سے نکال دینی چاہیئے تیسری چیز یہ ہے کہ یہاں پر جو یہ چیز آ رہی ہے یہ علمی انداز میں آ رہی ہے اور یہ چیز اس وقت ملک کے کونے میں پہنچ چکی ہے ۔ اخبارات میں آ چکی ہے ۔ اور ہمارا اس وقت جو اظہار خیال ہوگا وہ پہنچے گا ۔ اس کے بعد حکومت جو اقدام چاہے کرے ۔

سراج منیر صاحب : چونکہ گفتگو مختلف جہات میں پھیلتی جا رہی ہے لہٰذا اس کا ایک طریقہ طے کر لیں تاکہ کسی نتیجے پر پہنچا جا سکے ۔ تو اس میں ایک موقف جو مولانا گوہر الرحمٰن صاحب نے شروع میں فرمایا وہ یہ تھا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے اور کم از کم اس پر سکوتی اجماع ہے ۔ یہ ایک موقف تھا ۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب : تعامل امت بھی یہی ہے ۔

سراج منیر صاحب : دوسرا موقف مولانا طاہر القادری صاحب نے نہایت شرح و بسط سے بیان فرمایا کہ اس میں اجماع کی کیفیت نہیں لوگوں نے لکھا ضرور ہے

لیکن یہ کہ بہت سے مسائل میں ایسا لکھ دیا گیا ہے، جن پر اجماع کی شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ اس کے ساتھ ایک بات اور اہم ہے کہ جیسا کہ ریاض الحسن گیلانی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اٹھایا جا رہا ہے اس لیے کہ آرڈیننس میں تاخیر ہو اور اس مسئلے کی عملی افادیت کوئی نہیں تو یہ تین موقف ہمارے سامنے ہیں انہی کے دائرے میں گفتگو ہوگی۔ ایک چیز میں اپنے مشاہدہ کے طور پر کہتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ دن آئے ہیں کہ یہ فقہی موشگافیاں شروع ہوئیں ورنہ فقہاء کی رائے کیا ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف ہے یا اتفاق یہ کسی کو کبھی بھی درکار نہ تھا۔ تو یہ کیفیت پیدا ہوئی۔ یہ بھی فال نیک ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض اوقات ایک چیز کی عملی افادیت کوئی نہیں ہوتی مگر کوئی علامتی حیثیت اس سے وابستہ ہو جاتی ہے اور اس کی بنیاد پر وہ معاملہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مباحثہ اس پر کہ ہم کس فریق کو حق پر سمجھتے ہیں کس کے مطالبوں کو درجہ اعتدال سے بڑھا ہوا سمجھتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر اس سے تو انکار نہیں ہے کہ اس وقت تمام ملک میں یہ بحث جاری ہے اور بہت فیصلہ کن مرحلہ میں ہے کہ اسلام میں "حیثیت نسواں" ہے کیا؟ اور اس کی حیثیت کا مختلف اظہار معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، علمی، فکری روحانی تمام دائرہ کار میں کس کس طور پر آتا ہے اتفاق یہ ہوا کہ ایک انتہائی ایسے مسئلے میں جس کی پریکٹیکل انڈیکیشن زیادہ نہیں ہیں۔ یہ علامتی حیثیت سے ہمارے سامنے آگئی ہے۔ تو اب یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اس کی علمی جہات ہیں۔ اب مولانا مفتی غلام سرور قادری صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر اظہار خیال فرمائیں۔

طاہر القادری صاحب: میں مغرب سے پندرہ منٹ قبل چلا جاؤں گا کیونکہ شادمان میں مغرب کے ساتھ ہی ہماری ایک اہم میٹنگ ہے۔ آپ نے چونکہ وقت پانچ بجے شام کا لکھا تھا اس لیے میں اس میٹنگ میں جانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔

مفتی غلام سرور قادری صاحب: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم، حضرات علماء کرام، منکرین وسامعین

مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے اپنے خیالات کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ اجمالی طور پر وہ بالکل مشعل راہ ہے اہل اسلام کے لیے ۔ اگر تفصیل کا بھی انہیں موقعہ دیا جاتا تو وہ ضرور تفصیل کے ساتھ اپنے دلائل پیش کرتے ۔ ان کے بعض نکات پر جناب محترم طاہر قادری صاحب نے جو اعتراضات کیے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے جوابات بھی عرض کرتا جاؤں اور پھر اپنے نقطہ نگاہ کی وضاحت بھی کر دوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں " المسلمون تتکافاء دماؤھم کی جو حدیث پڑھی ہے بلاشبہ حدیث اپنی جگہ حق ہے لیکن لفظ "دِمَاء" کے ساتھ لفظ دِمَاء ' دَمٌ کی جمع ہے اور دم خون کو کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے اور کسی بھی مسلمان نے اس میں کبھی بھی کوئی شک نہیں کیا کہ عورت اور مرد کا جو خون ہے وہ بلاشبہ برابر ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ قصاص عورت کے قتل پر بھی لازم ہے اور مرد کے قتل پر بھی اور یہ دراصل رد ہے دور جاہلیت کے ایک رواج کا۔ جس میں عورت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی بلکہ اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دیتی تو تفسیر طبری میں موجود ہے اور اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی کہ مقتول کے ورثاء اس کے بدلے میں عورت کے قتل کرنے کو اپنی ہتک اور توہین سمجھتے تھے اور کہتے کہ عورت کا خون کیا چیز ہے ؟ کہ ہم اس کے لینے پر راضی ہو جائیں اور اس کے قتل پر اکتفا کریں ۔ تو وہ اس کے مقابلے میں ان کے مرد کو قتل کر دیتے تھے تو حضور اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور جاہلیت کے رواج کا خاتمہ کیا اور فرمایا مرد و عورت کا جو خون ہے وہ برابر ہے اور اگر عورت کسی مرد کی قاتل ہے تو مقتول کے ورثاء اس قاتلہ عورت کو قتل کر کے اپنے خون کا بدلہ لیں اور یہ بدلہ مساوی اور برابر ہے اگر یہ توجیہ تسلیم نہ کی جائے اور اسی سے عورت کی دیت کو مرد کی دیت جیسا تسلیم کیا جائے یعنی سو اونٹ کی صورت میں یا ایک ہزار دینار کی صورت میں یا دس ہزار درہم یا بقول دیگر بارہ ہزار درہم کی صورت میں تو میں صرف علامہ طاہر القادری صاحب ہی نہیں ، دنیا بھر کے مفکرین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ متقدمین

حضرات کے خیالات اور ان کے اقوال میں سوائے دو شخصوں کے ابن علیہ اور ابوبکر الاصم، ان کی جو حیثیت اسماء الرجال میں ہے وہ بھی میں بیان کر دوں گا۔ ان کو چھوڑ کر جو ہمارے اور آپ کے درمیان مسلم اکابر اور ائمہ دین ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی قول دکھا دیں کہ انہوں نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کیا ہو کہ عورت کی دیت بھی سو اونٹ ہے اور مرد کی بھی سو اونٹ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو آپ بیان کر کے دکھا دیں تو ہم بالکل اپنے نقطۂ نظر سے ابھی رجوع کر لیں گے۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: ہے ہی نہیں قادری صاحب دکھائیں گے کہاں سے؟

مفتی صاحب: اور اگر نہیں ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ چودہ سو سال سے جو آج تک کسی کو نہیں سوجھا آج کے مفکر کو کیسے سوجھ گیا۔ کیا وہ المسلمون تتکافأ دماءھم کے معنی سے غافل تھے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آج ہمیں الہام ہوا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آج ہی ہمیں الہام ہوا کہ اس کا مطلب یہ ہے

اس کے بعد دوسری گذارش یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ موضوع کو واضح نہیں کیا گیا۔ اس لیے بیان کرنے میں مغالطہ دیا جاتا ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع یہ نہیں ہے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع یہ نہیں کہ مرد و عورت کی دیت کامل ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ مرد کی دیت سو اونٹ اور عورت کی دیت پچاس اونٹ۔ اور ہمارے محترم کا جو نقطۂ نظر ہے وہ یہ ہے کہ عورت کی دیت بھی سو اونٹ۔ اب اس موضوع کو ان الفاظ کے ساتھ ائمہ دین سے ان دو شخصوں کو چھوڑ کر باقی کسی ایک سے بھی آپ دکھلا دیں تو ہم اپنے نقطۂ نظر سے دست بردار ہونے کو تیار ہیں۔ بات ہو بالکل کھلی اور واضح۔ یہ کہنا کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہے۔ برابر ہونے کے اقوال ملیں گے لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ برابری کا کیا معنی ہے۔ انبیاء سارے برابر ہیں اور برابر نہیں بھی۔ کس بات میں برابر ہیں نفس نبوت میں برابر ہیں کیا یہ معنی نہیں ہو سکتا کہ وہ درجہ اور مرتبہ میں بھی برابر ہیں۔ تو ایک ہی چیز

ایک اعتبار سے برابر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کی دیت وجوب کے اعتبار سے برابر ہے اس لیے کہیں یہ کہا جائے کہ مرد اور عورت کی دیت یکساں ہے۔ یکساں کے معنی برابر۔ اس سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مرد اور عورت کی دیت کے سو سو اونٹ ہیں۔ ہم جس طرح موضوع کو متعین کرتے ہیں ہم انہی الفاظ میں اپنے موضوع کا جواب مانگیں گے۔ یہ ذہن میں رکھ لیجیئے کہ موضوع کا جو تعلق ہے وہ برابر کے الفاظ سے نہیں ہے موضوع کا تعلق لفظ کامل کے ساتھ نہیں ہے۔ موضوع بالکل کھلا ہونا چاہیئے جس میں کوئی شک شبہ نہ ہو اور وہ یہ کہ مرد کی دیت بھی سو اونٹ۔ آپ ثابت کیجیئے کہ عورت کی دیت بھی سو اونٹ۔ اگر قیمت کی صورت میں ہے تو ایک ہزار دینار اور اگر درہم کی صورت میں ہے تو دس ہزار درہم یا بارہ ہزار درہم دونوں اقوال کے اعتبار سے عورت کی دیت آپ ثابت کیجیئے۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے ہیں تو لفظ برابر یا لفظ کامل پر ہم اکتفاء نہیں کریں گے اس کو ہم آپ کی طرف سے حجت نہیں تصور کریں گے۔ یہ ذہن نشین کر لیجیئے اب اسی موضوع کو آپ نے ثابت کرنا ہوگا۔ ہم ثابت کریں گے کہ عورت کی دیت جو ہے وہ مرد کی دیت کا نصف ہے آپ انہی الفاظ کا عکس ثابت کیجیئے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف نہیں ہے یا تو انہی الفاظ سے ثابت کیجیئے اور یا ان الفاظ سے کہ عورت کی دیت بھی سو اونٹ ہے یا ایک ہزار دینار ہے یا دس ہزار یا بارہ ہزار درہم میں بالکل بغیر کسی ابہام کے عرض کر رہا ہوں کہ اگر آپ نے اس کو بغیر کسی ابہام کے واضح نہ کیا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے میں ناکام ہو گئے۔ اس لیئے یہ بات بالکل نوٹ ہونی چاہیئے اور ریکارڈ پر ہونی چاہیئے۔ اور اگر آپ بیان فرمائیں گے تو فریق ثانی کو حق ہوگا کہ وہ انہی الفاظ کے ساتھ ایسے اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کا مطالبہ کرے۔

اس کے بعد یہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ دیت کے معنی کیا ہیں۔ دیت کا مفہوم کیا ہے کوئی کہتا ہے یہ خون کا بدل ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ نفس کا بدل ہے۔

کوئی کہتا ہے یہ نفس کی قیمت ہے۔ لیکن غور فرمانے کی جگہ جو ہے یہ ہے کہ قیمت سے بھی مغالطہ لگتا ہے۔ عربی زبان میں بیع و شراء کے احکام بالکل اہل فقہ پر اور جن کو فقہ میں بصیرت حاصل ہے ان پر بالکل واضح ہیں کہ قیمت جو معروف معنوں میں ہم لیتے ہیں اس کے لیے لفظ ثمن استعمال ہوتا ہے لفظ قیمت استعمال نہیں ہوتا۔ قیمت کا لفظ جو ایک چیز بیچی جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں اس کا بدل ادا کیا جاتا ہے اس کو لفظ ثمن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ ثمن کہیں آیا ہے تو لفظ ثمن دکھا دیجیئے۔ اور پھر یہ وضاحت کہ مرد جو ہے۔ اس کے خون کے ثمن اتنے ہیں اور عورت کے خون کے ثمن اتنے ہیں لہٰذا اس میں عورت کی ہتک ہو رہی ہے۔ قیمت لفظ خود مبہم ہے اور خود قیمت کا لفظ معاوضے میں استعمال ہوتا ہے۔ قیمت کے معنی بھی بدل کے ہیں اور بدل کے معنی بھی بدل کے ہیں حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب نے جو فرمایا ہے۔ لفظ قیمت سے ان کے نقطہ کی تردید نہیں ہوتی۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو لفظ ثمن ثابت کیجیئے۔ کہ یہ جو دیت ہے نفس کا ثمن ہے تو ثمن کے لیے دیکھیئے جو بھی چیز آپ معاوضے میں دیں گے اگر آپ نے کتاب خریدی ہے تو اس کے مقابلے میں جو آپ نے پیسے دیئے ہیں وہ قیمت ہے۔ اور اگر آپ نے گندم کے مقابلے میں جو خریدے ہیں گندم دی ہے اور جو لیئے ہیں آپ بائع کی حیثیت سے ہیں اور دوسرا مشتری ہے جو دے رہا ہے تو وہ جو قیمت تو ہیں لیکن ثمن نہیں اس لیے کہ ثمن خلقی صرف درہم و دینار یا سونا چاندی ہیں۔ اس لیے ثمن اور قیمت میں فقہاء نے فرق واضح کر دیا ہے۔ اس لیے لفظ ثمن استعمال نہیں ہوا اور قیمت استعمال ہوا ہے تو قیمت بھی بدل کو کہتے ہیں۔ بدل اور قیمت ایک ہی چیز ہے۔ جس سے مغالطہ لگتا ہے۔ تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ تعریف خواہ کسی نے کسی بھی لفظ سے کی ہو یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ میٹھا تو کھالو اور کڑوا پھینک دو۔ جن حضرات نے اس کو بدل قرار دیا جن حضرات نے ان کو قیمت قرار دیا ان کی اس بارے میں رائے کیا ہے؟ کیا وہ عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے برابر سو فیصد قرار دیتے ہیں؟ اور نصف کے قائل نہیں ہیں؟ اگر نصف کے قائل نہیں ہیں؟ تو پھر تو آپ ان کی اس تعریف کو قبول کیجیئے اگر وہ نصف کے قائل ہیں تو آپ

ان کی تعریف کو کیسے پسند کرتے ہیں ؟

اس کے بعد بنیادی طور پر عرض کر دوں یہ جو کسی نے کہا کہ کفالت کی وجہ سے ہے۔ چونکہ عورت پر کفالت نہیں ہے مرد پر کفالت ہے۔ یہ دیت کی حکمتیں جس کی سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ بیان کر دیتا ہے۔ ورنہ احکام کی جو حکمت افادیت خدا و رسول بہتر جانتا ہے ہمیں اس کی علت، حکمت افادیت معلوم ہو یا نہ ہو۔ ہم نے ان کے احکام کی پیروی کرنا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اتباع ہم پر فرض ہے۔ اس میں ہمیں اس کی علت، حکمت غایت معلوم ہو یا نہ ہو خواہ کوئی اس کی افادیت کچھ بیان کرے۔ اس سے ہمیں غرض نہیں۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شرعی حکم کیا ہے۔

اور پھر یہ بھی عرض کر دوں کہ کسی لفظ کے جو بھی لغوی معنی ہوتے ہیں وہ اس کے شرعی حکم کا باعث نہیں ہوتے۔ بالفرض اگر کسی نے بدل لکھا ہے تو اس کا بدل ہونا وجوب دیت کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی اس کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ اس کا بدل ہے۔ میں ایک مثال دوں گا جیسے نماز کو اہل علم صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اور صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں تو کیا اگر نماز میں دعا نہیں آئی تو کیا نماز نہیں ہو گی ؟ لغوی معنیٰ ہی اگر حکم کا باعث ہوتا تو جس نے نماز میں دعا نہیں کی اس کی نماز نہیں ہونی چاہیئے غرض یہ ہے۔ کہ کسی بھی لفظ کا لغوی معنی اس کے حکم کی بنیاد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آیت دیۃ کا جہاں ذکر آیا ہے کہ یہ مجمل نہیں ہے مطلق ہے۔ یہ عام ہے۔ اس سلسلے میں حضرت جصاص ؒ کا قول بھی بیان کیا گیا تو میں سمجھتا ہوں کہ علامہ صاحب نے پوری عبارت نہیں پڑھی جس سے مغالطہ لگا ہے۔ پوری عبارت اگر پڑھتے تو فیصلہ وہیں ہو جاتا علامہ جصاص بالکل صاف اور بلا کسی ابہام کے فرماتے ہیں اس کے نیچے ہی بالکل فدیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ فرماتے ہیں یہ دیکھیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دیت کا لفظ استعمال کیا پھر مؤمن کا۔ امام شافعیؒ کے اختلاف کو بیان کر رہے ہیں کہ جو ذمی ہے اس کی دیت مسلمان کے برابر ہے یا نصف ہے۔ امام شافعی چونکہ نصف کے قائل ہیں۔ اس اعتبار سے وہ یہاں سوال کرتے ہیں۔

کہ دیکھیئے دیۃ مسلمۃ سے متعلق عورت کی دیت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے تو وہ کس اعتبار سے؟ حالانکہ وہ تو نصف ہے۔ تو حضرت جصاص ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے بڑی اچھی بات فرماتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر دیکھا جائے غور سے تو قرآن کریم نے لفظ مؤمن فرمایا: من قتل مومنا جس نے مؤمن مرد کو قتل کیا۔ مومن صیغہ تذکیر ہے۔ لغت کے اعتبار اور اپنے معنی کے اعتبار سے عورت اس میں بالکل داخل نہیں۔ عورت کے لیئے لفظ مؤمنہ استعمال ہوا ہے اور قرآن کریم میں لفظ مؤمن کے ساتھ مؤمنۃ استعمال ہوا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:
ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ الخ. تو یہاں مؤمن مرد اور عورت کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ اس لیے لغوی تقاضے کے مطابق لفظ مؤمن محض مذکر کے لیے ہے مؤنث کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا امام جصاص فرماتے ہیں کہ اس میں عورت شامل نہیں۔ عورت کی دیت نصف ہے وہ علیحدہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس لیے قرآن کریم کے اس لفظ مؤمن کا جہاں تک تعلق ہے یہ چونکہ صیغہ مذکر ہے اور صیغہ مذکر، مذکر ہی کے لیے ہوتا ہے مؤنث کے لیے نہیں ہوتا۔ لہٰذا اشواقع کا استدلال امام جصاص یہاں سے مسترد فرماتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ لفظ دیت آیا ہے اور عورت کی دیت پوری نہیں ہے بلکہ وہ نصف دیت ہے۔ لہٰذا لفظ دیت اس کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ جب دیت کا لفظ بولا جائے تو اس کے معنی سو اونٹ کے ہیں۔ چونکہ عورت کی دیت، دیت نہیں بلکہ نصف دیت ہے لہٰذا وہ اس میں شامل نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ علامہ طاہر القادری صاحب اوپر کی عبارت پڑھتے ہیں تو نیچے کی کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ ان کو چاہیئے کہ وہ اس کو بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں اور اس کو بیان کر کے داد تحسین حاصل کریں

پھر ان کا یہ فرمانا کہ جناب جصاص نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ مجمل نہیں ہے اور یہ کیسے انہوں نے فرما دیا حالانکہ دوسرے صفحہ ص ۲۲۹ پر ہے: لما لم

یکن مقدار الدیۃ مبینا فی الکتاب کان فعل النبی واردا مورد البیان

کتنی واضح بات فرمادی - اور فرماتے ہیں کہ عورت کی دیت قرآن میں مبین نہیں ہے۔ جب مبین نہیں ہے تو شریعت کے اعتبار سے اسے مجمل نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے؟ رہا یہ سوال کہ پہلے انہوں نے اس کی نفی کی ہے کہ یہ مجمل نہیں ہے اب دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا جائے ایک طرف تو فرما رہے ہیں کہ مجمل نہیں ہے پھر آگے کہتے ہیں کہ یہ مبین بھی نہیں۔ تو اس کو کیسے حل کیا جائے؟ تو اس کا مفہوم بالکل واضح ہے جہاں انہوں نے فرمایا کہ یہ مجمل نہیں ہے وہاں اصطلاحی مجمل مراد ہے جس کی تعریف علامہ طاہر القادری صاحب فرما رہے تھے۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب : مفہوم ذاتی کے اعتبار سے مجمل نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہاں معنی ذاتی کے اعتبار سے جس کو اجمال کہتے ہیں وہ تعریف اس میں نہیں پائی جاتی - اور جہاں ہے مقدار دیت کے اعتبار سے تو اس کو خود فرما رہے ہیں کہ قرآن کریم نے بیان ہی نہیں کیا کہ عورت کی دیت کتنی ہونی چاہیئے۔ جس کو قرآن نے بیان نہیں کیا اس کو نبی کریم کی سنّت نے بیان فرما دیا - اور حضور کے فعل نے بیان کیا ہے - اور جناب! جہاں آپ دیت کی تعریف فرما رہے تھے کہ یہ مجمل نہیں تو میں عرض کروں گا کہ اسی طرح وامسحوا برؤسکم جو قرآن میں آتا ہے یہ بھی تو مجمل نہیں ہے اپنے معنی کے اعتبار سے وامسحو برؤسکم اپنے سروں کا مسح کرو" اس میں کون سا معنوی اجمال ہے۔ مسح کا معنی ہے اصابۃ الماء جس میں اسالۃ نہ ہو۔ یہ تعریف ہے مسح کی۔ لیکن اس کے باوجود اصول الشاشی کھول کر دیکھیئے کہ وہ فرما رہے ہیں وھذا مجمل فی مقدار المسح - کہ یہ مسح کی مقدار میں مجمل ہے۔ چونکہ یہ مسح کی مقدار میں مجمل ہے لہٰذا خبر واحد سے اس کا بیان ہو سکتا ہے - تو جیسے وامسحوا برؤسکم مسح کی مقدار میں مجمل ہے اور اپنے ذاتی معنی کے اعتبار مجمل نہیں ہے۔ اسی طرح

دیت کا لفظ اپنے ذاتی معنی کے لحاظ سے مجمل نہیں ہے بلکہ مقدار دیت کے

ہیں اس کے بعد ان میں جواب کی ہمت نہیں رہتی۔ یا تو جواب دیتے ہی نہیں اگر دیتے ہیں تو اس قدر ڈھیلا ڈھالا دیتے ہیں کہ اہل حق کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا۔

سراج منیر صاحب: مفتی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
اگر اس کا جواب نہ آئے جو آپ نے اعتراضات اٹھائے ہیں تو معاملہ تشنہ رہے گا۔

مفتی صاحب: جب حضرت (طاہر القادری) نے بیان کیا تو ہم نے کسی بے چینی کا اظہار نہیں کیا ہماری بات سن لی جائے پھر حضرت کی بات سن لی جائے گی

گیلانی صاحب: حضرات ذرا خاموشی سے بات تو سنیئے۔ بڑا اچھا بیان ہو رہا تھا حضرات آپنے خواہ مخواہ درمیان میں گڑ بڑ پیدا کر دی۔ ذرا گذارش تو سنیئے حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب کو ایک تجویز پیش کی گئی ہے کہ وہ اپنے بیان کو درمیان میں توڑ کر علامہ طاہر القادری کی گفتگو سنیں۔ موصوف سے یہ بھی پوچھا جائے کہ کیا وہ اس بات کے لیے رضامند ہیں۔ اور اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں تو ان کے بیان کو جاری رہنا چاہیئے۔

رفیق چوہدری صاحب، (طاہر القادری صاحب سے)
حضرت جہاں آپ کو جانا ہے اگر وہاں ٹیلیفون کر دیا جائے تو کیا بات بن سکتی ہے؟

طاہر القادری صاحب: گذارش ہے کہ جتنے سوالات انہوں نے اٹھائے ہیں بحمد اللہ میں ان سب کا جواب دے سکتا ہوں۔۔۔۔۔

اعتبار سے کی ہے۔ قرآن کریم کے اندر، اس کو علامہ طاہر القادری صاحب بھی تسلیم

کریں گے، کہ دیت کی مقدار بیان نہیں کی گئی۔ جب کہ وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ دیت کامل بھی ہوتی ہے اور دیت اپنے اس کمال سے کم بھی ہوتی نصف بھی ہوتی ہے اور ربع بھی ہوتی ہے۔ ثلث بھی ہوتی ہے۔ خود دیت کے گویا درجے ہیں جن کا قرآن نے کوئی ذکر نہیں فرمایا اور نبی کریم ؐ نے اس کو بیان کر دیا۔ اور جیسے علامہ گوہر رحمٰن صاحب ارشاد فرما رہے تھے کہ ہمارے فقہاء اور علماء نے اور نبی کریم کے ارشاد گرامی نے خود بھی اس کو واضح کیا کہ کس پر دیت ہونا چاہیئے عاقلہ پر یا جانی پر؟ قرآن نے اس کو بیان نہیں کیا اس کو سنت نے بیان کیا تو آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اجمال ہی نہیں؟ بلاشبہ اس میں اجمال ہے اور اجمال ہے کس اعتبار سے! بہت سے وجوہات کے اعتبار سے۔ جانی پر ہونی چاہیئے یا عاقلہ پر اس کو قرآن کریم نے بیان نہیں کیا۔ اس کے بعد جہاں تک اجماع سکوتی کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں اجماع سکوتی کے بارے میں آپ نے حوالے بیان فرمائے ہیں ان حوالوں کے اندر آپ نے یہ بھی بیان فرمایا

طاہر القادری صاحب: مجھے چونکہ جانا ہے اس لیے جہاں تک بات ہو چکی ہے اس کا میں جواب عرض کر دیتا ہوں۔

سراج منیر صاحب: ایک عرض ہے وہ یہ کہ چونکہ انہیں جانا ہے......

مفتی صاحب: ان کو جانا ہے تو تشریف لے جائیں ہم تو بیان کرتے رہیں گے.....

سراج منیر صاحب: جتنی گفتگو ہو چکی ہے اس کا جواب آجائے۔ اس کے بعد پھر آپ کا بیان جاری رہے گا۔

مفتی صاحب: (اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے)

آپ نے ابن حزم کے حوالے سے جو یہ بیان فرمایا کہ کئی ایک ایسے اجماع ہیں جن میں اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو اجماع کہا ہے میں یہاں آپ سے ایک سوال کروں گا۔ آپ کسی اہل علم، مسلم فقیہ، اور عالم سے یہ ثابت کر دیں کہ کسی نے بھی دیت کے بارے میں یہی نقطہ نظر اختیار کیا ہو کہ یہاں دعویٰ اجماع کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہاں اختلاف موجود ہے کہ نصف دیت ہونی چاہیئے یا مرد کی طرح پوری دیت ہونی چاہیئے۔ اس کو اگر آپ ثابت کر سکتے ہیں تو پھر ابن حزم کا حوالہ دینا درست ہوگا.....

سراج منیر صاحب: (مفتی صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے)

یہ (طاہر القادری) گفتگو کر لیں تو پھر آپ اپنا بیان جاری رکھیں (تمام حاضرین نے کہا کہ پہلے مفتی صاحب کا بیان ختم ہونا چاہیئے لیکن طاہر القادری صاحب جانے کے لیے بضد تھے اس لیے انتظامیہ کو مجبوراً حاضرین سے درخواست کرنا پڑی کہ ان کی بات پہلے سن لی جائے تاکہ ان کا نقطہ نظر وضاحت سے سامنے آجائے)......

مفتی صاحب: (طاہر القادری صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے)

آپ کیوں مغالطے میں ڈالتے ہیں ہم آپ کو کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ آپ کسی ایک مسلم فقیہ کا بھی اختلاف دکھا دیں تو ہم اپنے موقف سے دستبردار ہونے کو تیار ہیں۔

تفسیر کبیر کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ امام رازی کے بارے میں علماء نے بالکل واضح فرما دیا ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ مخالف کے قول کو بڑے زور و شور سے بیان کرتے ہیں اور جب اس کے جواب دینے کی نوبت آتی ہے تو سست ہو جاتے ہیں اور دوسرے فریق کا بلکہ اہل حق کا، اہل حق کے الفاظ میں دکھا سکتا ہوں، امام ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان جلد ۶ میں فخر الدین رازی کے نام سے ان کے حالات لکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جہاں کوئی مخالفین کا اعتراض بیان کرنا ہو تو پورا زور لگا دیتے ہیں اور اتنا زور لگاتے ہیں کہ تھک جاتے

مفتی صاحب: میرا بیان ابھی مکمل نہیں ہوا۔ میرے بیان کے مکمل ہونے کے بعد آپ جواب دیجئے گا۔

گیلانی صاحب: آپ اپنا بیان جاری رکھیں مولانا!

سراج منیر صاحب: ہم نے مفتی صاحب سے گذارش کی کہ آپ اپنا بیان روک دیں تاکہ قادری صاحب آپ کے سوالوں کا جواب دے دیں۔

مفتی صاحب: اگر ان کو سننا ہے تو سنیں ورنہ چلے جائیں تو اس ساری بحث کا جو مرکزی نقطہ ہے کہ چودہ سو سال میں کسی فقیہ، محدث کا ایک قول دکھا دیں؟ ابن علیہ کو چھوڑ کر۔ تو اس ایک سوال کا جواب دے دیں۔

گیلانی صاحب: مفتی صاحب کو بیان کرنے دیں نا!......

طاہر القادری صاحب: اگر دو آدمی گفتگو کر رہے ہوں یا چار یا پانچ محو گفتگو ہوں تو کسی ایک کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے موضوع کے لیے لفظ بھی خود متعین کرے اور دوسرے پر شرط لگائے کہ تمہارا دعویٰ ان الفاظ میں ہونا چاہیئے۔ ہر شخص دعویٰ اپنی پسند کا کرتا ہے۔ مدعی اپنا دعویٰ لاتا ہے۔ مدعا علیہ کو یہ حق نہیں کہ وہ مدعی کو کہے کہ تو دعویٰ ان الفاظ میں پیش کر یہ مدعی کا رائٹ ہے کہ وہ جن الفاظ میں چاہے اپنا دعویٰ پیش کرے۔

میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کی نص اور نبی کریمؐ کی سنت متواترہ مشہورہ حضور سے صریحاً مرفوع ثابت شدہ حدیث جو متواتر ہو مشہور ہو ہر جرح اور ضعف سے پاک ہو۔ قرآن اور حضور کی کسی ایک ایسی حدیث سے بھی مرد اور عورت کی دیت کی مقدار میں فرق نہیں کیا جا سکتا کوئی اپنے لفظوں سے دعویٰ تشکیل دے کر میرے منہ میں نہیں ڈال سکتا۔ ہر ایک شخص کا دعویٰ ہوتا ہے۔

ہاشمی صاحب: آپ کوئی ایک روایت بیان کیجیے جس میں نبی کریم نے مرد اور عورت کی دیت سواونٹ مقرر کی ہے۔

طاہر القادری صاحب: حضور علیہ السلام نے مرد اور عورت کا فرق کیئے بغیر ہر شخص کی دیت سو اونٹ مقرر فرمائی۔ سنن نسائی۔

مفتی صاحب: نہیں ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے یہاں لفظ دیت عام معنوں میں ہے اور عورت کی تخصیص موجود نہیں۔ دیت کی مقدار کے متعلق کوئی روایت بیان کیجئے جس میں ذکر ہو کہ عورت کی دیت سو اونٹ ہے۔

طاہر القادری صاحب: سنن نسائی کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں کا جو میں نے ذکر کیا ہے۔ حضور نے فرمایا ان فی النفس الدیۃ مائۃ من الابل۔ جو جان بھی قتل ہو اس میں دیت سو اونٹ ہے۔ عورت جان ہے یا نہیں؟ عورت کا قتل، قتل نفس ہے یا نہیں۔

قرآن نے قتل عمد کی بات کی سورۃ بقرہ میں۔ قتل خطا کی بات سورۃ نساء میں۔ دونوں جگہ قرآن نے مرد اور عورت کے لفظ استعمال نہیں کیے۔ سورۃ بقرہ میں قرآن نے نفس کی بات کی من قتل نفسا متعمدا اور سورۃ نساء میں قرآن نے من قتل مومنا خطاء ....

مفتی صاحب: بات عورت کی دیت پر ہو رہی ہے نفس کی دیت پر نہیں۔ دعویٰ ہمارا خاص ہے عام پر مبنی نہیں ہے یہ مغالطہ دے رہے ہیں۔

طاہر القادری صاحب: لفظ مؤمن میں عورت بھی شامل ہے۔ قرآن نے خود کہا ہے: من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن تو قرآن کے الفاظ نے مرد اور عورت دونوں کو مؤمن کہا۔ قرآن نے یہ جو فرمایا کل نفس ذائقۃ الموت۔ یعنی ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ تو کیا عورت نفس سے خارج ہے؟ کیا اس پر موت نہیں آئے گی۔

میرا پہلا دعویٰ حضور کی حدیث صحیح مشہور سے ثابت ہے جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے ۲۷ حدیث کی کتابوں سے لیا ہے۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا: دیۃ الانسان مأۃ من الابل۔

کیاعورت انسان نہیں ہے؟......

مفتی صاحب: یہ ضروری نہیں کہ عورت انسان میں شامل ہو......

طاہرالقادری صاحب: قرآن نے فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اگر عورت انسان سے خارج ہے تو کیا وہ احسن تقویم سے بھی خارج ہے۔ اور وہ اسفل مخلوقات ہے۔

مفتی صاحب: عورت کا انسان ہونا عموم خصوص مطلق کی بات ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان عورت ہو۔ کیا آپ کو اتنی منطق بھی نہیں آتی؟

طاہرالقادری صاحب: کیا عورت انسان نہیں ہے: عورت انسان ہے انسان۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بھی خطاً قتل ہوگا اس کی دیت سو اونٹ ہے کیا عورت قتیل خطا نہیں؟ آگے سنیئے (سنن نسائی جلد ۲ صـ ۲۱۶) ابو داؤد جلد ۲ صـ ۲۶۹، طحاوی جلد ۲ صـ ۱۲۰، نسائی جلد ۲ صـ ۱۳۲ مشکوٰۃ صـ ۳۰۳ حضور نے فرمایا جو کوئی خطاً قتل ہو جائے اس کی دیت سو اونٹ ہے۔ عورت کے قتل کو قتل خطا کہیں گے یا نہیں؟۔ اگر وہ قتل خطا نہیں تو وہ خارج ہے ورنہ وہ اس میں شامل ہے۔

حضور نے مرد اور عورت کا فرق کیے بغیر مرد عورت کی دیت کی ایک مقدار مقرر کی۔ اعلاء السنن اٹھایئے اس کے الفاظ ہیں۔

کان فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ الدیۃ مائۃ من الابل۔

حضور کے زمانے میں دیت سو اونٹ ہوا کرتی تھی۔

گوہر رحمان صاحب: ذرا اس سے آگے پڑھیئے

طاہرالقادری صاحب: اس حدیث کا متن اس سے آگے کچھ نہیں، حضور نے فرمایا اگر عورت قتل ہو جائے تو اس کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔ اور دیت والوں کو ہزار دینار ہوں گے۔

(یہاں پر مغرب کا وقت ہوگیا اور طاہرالقادری صاحب اٹھ کر چلے گئے)

جناب ریاض الحسن گیلانی صاحب: نماز مغرب کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہوئے۔
اچھا ہوا کہ ان کو موقع دے دیا گیا یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے ترکش میں کیا ہے۔ جناب مفتی صاحب اُب آپ اپنے بیان کو جاری رکھیں۔

جناب مفتی صاحب: نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم
سامعین محترم۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو کچھ بدمزگی پیدا ہوئی۔ وہ قادری صاحب کی ضد کی وجہ سے تھی۔ بات یہ تھی کہ ہم نے جس بات کو موضوع بحث بنایا تھا۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اسی پر اپنے تمام دلائل کو مرکوز کرتے۔ موضوع بحث کیا تھا عورت کی دیت پھر میں واضح کر دیتا ہوں آپ کے رسالے میں جس چیز کو موضوع کلام ہونا چاہیئے وہ ہے عورت کی دیت نہ کہ نفس کی دیت نہ مومن کی دیت نہ انسان کی دیت۔

جناب ریاض الحسن نوری صاحب: عنوان ہے عورت کا قصاص و دیت۔

حافظ غلام حسین: قصاص میں تو کوئی جھگڑا ہی نہیں۔ عنوان کے اتنے چھوٹے موٹے الفاظ پر جھگڑا نہ کھڑا کیجیئے۔

جناب مفتی صاحب: اصل بات جو باعث نزاع ہے وہ تو عورت کی دیت ہے۔
اس لیے ہمارے کلام کا جو موضوع ہے وہ ہے۔ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا بقول دیگر دس ہزار درہم یا بارہ ہزار درہم عورت کی دیت زیر بحث تھی اور جس طرف وہ چل پڑے وہ تھا نفس کی دیت مومن کی دیت انسان کی دیت یہ بالکل ایسا خلط مبحث ہے جس کی آپ کو مثال دیتا ہوں کہ تم سے کوئی یہ کہے کہ زید بڑا ناشکرا انسان ہے۔ حالانکہ زید صالح اور نیک ہو پنجگانہ نماز کا پابند ہو متقی ہو پرہیزگار ہو اور اس کی معاشرتی زندگی پر کسی کو اعتراض نہ ہو لیکن ایک شخص کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کرے کہ میں قرآن سے ثابت کرتا ہوں کہ یہ زید بڑا ناشکرا ہے جاہل ہے اور یہ ظالم بھی ہے میں قرآن سے ثابت کرتا ہوں اور پھر وہ قرآن کریم کی، یہ آیت ان الانسان لکنود۔ قرآن میں فرمادیا گیا کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ تو زید کے انسان ہونے سے اختلاف کسی کو نہیں لہٰذا زید بڑا ناشکرا ہے۔ اور اسی طرح وکان الانسان ظلوماً جہولا تو وہ کہے کہ لفظ انسان ذات زید پر

صادق آتا ہے۔ اس اعتبار سے زید کفور بھی ہے۔ اور ظلوم اور جہول بھی ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ یہ اس قیاس کو جہالت پر مبنی کہیں گے یا نہیں کہیں گے۔ ہم نے اس لیے شروع میں بیٹھتے ہی درخواست کی تھی۔ کہ ہمارا جو موضوع ہے۔ وہ عورت کی دیت ہے۔ انسان کی دیت نہیں ہے۔ مومن کی دیت نہیں ہے۔ آپ اس عنوان سے ثابت کر کے دکھا دیں۔ ضعیف حدیث ہی دکھا دیں ہم اپنے موقف سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ ان کے پاس حدیث ضعیف بھی نہیں جبکہ وہ قوی حدیثوں کو مقبول حدیثوں کو محض اپنی تفسیر بالرائے کی وجہ سے جھٹلاتے پھرتے ہیں۔ تو اب اس سلسلہ میں موضوع کلام جو ہے۔ وہ یہ ہوگا سب سے زیادہ جس چیز کو یہاں پریزنٹ کیا جاتا ہے وہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط ہے۔ ہیں اس خط کی جو اسنادی حیثیت ہے اس سے قطع نظر کر کے کہ اسنادی حیثیت کیا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ اس پر علما نے کلام کیا ہے۔ اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا اس میں عورت بھی شامل ہے۔ یا نہیں ہے۔ پہلے بھی ان کے ساتھ ہماری مذاکرے کی ایک نشست ہوئی اور یہ حضرات موجود تھے۔ دو نشستیں طے پائیں تھیں پہلی نشست میں جب ہم نے ان کے اعتراضات کے جواب دیئے اور پھر جب ہم اپنے دلائل دینے لگے تو وہاں سے یہ چلے گئے۔ اور اس بات کا سب کو پتہ ہے میاں نواز شریف کے ہاں یہ اہتمام ہوا تھا وہ نہیں آئے تھے۔ پھر شادمان میں وہاں پر مذاکرہ رکھ دیا۔ ہمیں وہاں بھی جانے سے انکار نہیں ہے۔ ہم وہاں بھی جانے کو تیار ہیں لیکن ہم درخواست یہ کریں گے کہ اسی موضوع کو زیر بحث لائیں اور اس سے متعلق ثابت کریں انشاء اللہ وہ ثابت نہیں کر سکیں گے۔ تو اس سلسلے میں یہ ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ خط جو ہے۔ اس میں یہ الفاظ خاص کر موجود ہیں کہ جس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ فی النفس المدیۃ مائۃ من الابل کہ نفس میں سو اونٹ دیت ہے اور اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص اس کی ناک کاٹے تو اس کی دیت یہ ہے اور اس کے ہونٹ کاٹے تو اس کی دیت یہ ہے۔ اور خاص کر آپ کی توجہ کے لیے حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اگر کوئی بیضتین کاٹے اور ذکر کا ذکر فرمایا اس کے بعد ہو یہ خط ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس میں عورت شامل ہے ہم کہتے ہیں اس میں نہیں ہے۔ اگر عورت شامل ہے

تو عورت کے اعضاء کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا ؟ مرد کے اعضاء کا تو ذکر کیا لیکن عورت کے اعضاء کا ذکر کیوں نہیں ؟ اگر وہ اس میں شامل تھی اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنی ضد سے کام لیں تو اور بات ہے۔ یہاں اس بات کا واضح اور قوی قرینہ موجود ہے کہ اس میں عورت شامل نہیں ہے۔ اگر شامل تھی تو حضورؐ نے نسوانی اعضاء کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟ لہٰذا یہ حدیث صرف اور صرف مرد کے متعلق ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اب ہم اس قرینے کو جو نہایت ہی قوی اور ناقابل انکار قرینہ ہے۔

گیلانی صاحب: کونسی کتاب سے پڑھ رہے ہیں حضور؟

مفتی صاحب: مشکوٰۃ شریف اور تمام صحاح کی کتابوں میں یہ خط موجود ہے۔ اب اس سلسلے میں ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ علماء اور شارحین حضرات کی رائے میں بھی یہ خط صرف مرد کے متعلق ہے۔ اور عورت کے متعلق نہیں۔ چنانچہ یہ ایک کتاب ہے۔ مؤطا امام مالکؒ جو امام محمد بن شیبانی کی روایت ہے۔ یہ اصل کتاب جناب نوری صاحب کے پاس موجود ہے میں نے صرف فوٹو کرائی ہے۔ تاکہ اگر ضرورت پڑے تو دکھائی جا سکے۔ تو یہ ہے "ابواب الدیات" اس میں حضرت عمرو بن حزمؓ کا خط انہوں نے روایت کیا ہے" ان فی النفس الدیة مائة من الابل " وغیرہ وغیرہ کر کے وہی خط من وعن اور اس پر شارح ہیں علامہ عبدالوہاب عبداللطیف مصری وہ فرماتے ہیں اس کی تشریح کرتے ہوئے " والمراد بالنفس الرجل المسلم "۔ کہ نفس سے مراد صرف اور صرف مسلمان مرد ہے۔ عورت اس میں شامل نہیں ہے اور ان کی یہ رائے محض رائے نہیں ہے۔ بلکہ قرینہ قویہ اس میں موجود ہے۔ کہ اس میں اعضائے نسوانی کا تذکرہ نہیں ہے۔ جو اس کا قرینہ قویہ ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ رہا عورت کا معاملہ تو "علی نصف دیة الرجل"

گیلانی صاحب: یہ رائے امام محمد شیبانی کی ہے؟

مفتی صاحب: نہیں نہیں۔

نوری صاحب: نہیں یہ ایک کتاب ہے۔ امام محمد کی روایت سے تو اس کی تشریح کر رہے ہیں علامہ عبدالوہاب مصری۔ یہ جامعہ ازہر میں علم حدیث کے استاذ ہیں۔

مفتی صاحب: (نوری صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے۔) حضرت محترم! آج کل کا عالم کہہ کر اس کی قدر گھٹائیں نہیں۔

گیلانی صاحب: (مفتی صاحب سے) لقمہ کو آپ دخل نہ سمجھا کریں۔

مفتی صاحب: یہ وہ شخص ہیں۔ کہ اکثر صحاح ستہ کی کتابوں پر ان کی تعلیقات موجود ہیں اور یہ مسلم محدث ہیں۔ اس کے بعد یہ ہے مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔

گیلانی صاحب: مفتی صاحب نے بڑی محنت کی ہے۔

مفتی صاحب: یہ مؤطا امام محمد ہے۔ صفحہ اس کا ہے۔ ۲۸۹۔

گیلانی صاحب طاہر القادری صاحب کی ایک مجبوری ہے کہ نوری صاحب انہیں مزید دلائل فراہم نہیں کرتے (قہقہہ)

مفتی صاحب: حضرت عمرو بن حزمؓ کا خط امام محمدؒ نے امام مالک کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس پر شارح ہیں مولانا عبدالحی لکھنوی وہ کہتے ہیں "المراد بالنفس ای فی قتل الرجل المسلم اذا کان ذکراً ماٗۃ من الابل" اور اس کے بعد فرماتے ہیں "دیۃ المراۃ عندنا نصف دیۃ الرجل فی النفس وما دونہا" عندنا سے کہیں یہ مغالطہ نہ لگے کہ صرف حنفیوں کے ہاں ہے۔ بلکہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سوائے ان دو شخصوں کے جن کے بارے میں میں انشاء اللہ آگے چل کر بتاؤں گا کہ وہ کون ہیں۔

اس کے بعد یہ ہیں امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ محتاج تعارف نہیں۔ یہ بہت بڑی شخصیت ہیں اور امام بخاری کے معاصر ہیں۔ ان کو امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جن الفاظ سے یاد کیا ہے، وہ یہ ہیں " وما نعلم ہذہ الثقات بعد الصحابہ اتم من محمد بن نصر المروزی " کہتے ہیں کہ حدیث کی صحت اور عدم صحت صحابہ کے بعد اور تحقیق خدمت میں ان سے بہتر صحابہ کے بعد کوئی نہیں پایا۔ اسماء الرجال میں سب نے ان کو سراہا ہے۔ انہوں نے اپنی سندوں کے ساتھ مختلف مسائل پر یہ کتاب مرتب فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: "من قتل مؤمنا خطاء فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اہلہ

اجمل ذکر الدیۃ والمہمہا فلم یفسرھا " اللہ نے دیت کا ذکر فرما دیا لیکن اس کو مجمل اور مبہم رکھا اور اس کی تفسیر نہ فرمائی " وجعل تفسیرھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی تفسیر اللہ نے اپنے رسول کے سپرد فرمائی " وفسر رسول اللہ بسنتہ وجعل دیۃ الرجل المسلم مأۃ من الابل واتفق علی القول بذالک اھل العلم " اہل علم کا اسی قول پر اتفاق ہے۔ کہ یہ آیت مرد کی دیت کے بارے میں ہے جیسا کہ جصاص نے فرمایا کہ لفظ مومن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرد کی دیت سے متعلق ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں اپنی سند کے ساتھ "حدثنا اسحاق انبأنا ابو اسامہ عن محمد بن عمرو بن علقمہ کتب عمر بن عبد العزیز فی دیات وذکر فی الکتاب وکانت دیۃ المسلم الرجل فی عہد رسول اللہ مأۃ من الابل فقومہا عمر بن الخطاب علی اھل القریٰ الف دینار او اثنتا عشر آلاف درھم وکانت دیۃ الحرۃ المسلمۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمسین من الابل۔ فقومہا عمر بن الخطاب علی اھل القریٰ خمس ماۃ دینار او ستۃ الاف درھم " اس میں الفاظ ہیں " علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " اب فرمائیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک چیز رائج تھی۔ صحابہ کرام کے زمانے میں تھی پھر تابعین کے ہاں تھی اور یہ سب لکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد شک و شبے کی کونسی بات باقی رہ جاتی ہے۔ پھر ایسی کونسی چیز ہے کہ آج پھر اس پر اجتہاد کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

ہاشمی صاحب: ایک خاتون کی بچی رو رہی ہے اس کی بات سن لی جائے۔

محترمہ خورشید النساء: آپ قصاص میں مرد اور عورت دونوں کو شامل کرتے ہیں نا۔ اور حضرت عمر نے ایک عورت کے قتل پر قصاص میں تین مردوں کو قتل کروایا ٹھیک ہے نا تو قصاص میں بھی تو نفس ہی آتا ہے۔ وہاں عورت کہاں ہے۔؟ اور قرآن کے جتنے احکام اوامر و نواہی ہیں سوائے چند ایک کے ان سب میں آیا ہے۔ یا یہا الذین آمنوا " کہیں " یا یہا اللتی آمنو نہیں آیا۔ یا یہا الذین آمنوا کہہ کر احکام لاگو کئے گئے ہیں۔ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ بھی مذکر کے صیغے ہیں۔ تو پھر اس کا مطلب ہے کہ عورتوں پر نماز فرض نہیں۔

زکوٰۃ فرض نہیں - اور پھر " ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین "

اسی طرح بیشمار آیات ہیں جو صرف مذکر کے لیے ہیں اس کا مطلب یہ ہے - کہ آپ عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیں کہ عورتیں ان میں شامل نہیں - یہ عربی کا طریقہ ہے - کہ عمومی احکام بیان کرتے ہوئے مذکر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے - اس میں عورت بھی شامل ہوتی ہے - تو اب لفظ مؤمن کو مذکر قرار دے کر عورت کو اس سے خارج نہیں کر سکتے - اور اگر ایسا ہے - تو اقیموا الصلوٰۃ سے بھی عورت کو خارج کریں -

مفتی صاحب: محترمہ! بات یہ ہے - کہ آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے - یہ وہی باتیں ہیں جو آپ نے طاہر القادری صاحب کے بیان سے یاد کرلی ہیں - حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے.........

خورشید النساء: مجھے معاف کیجیئے - میں نے طاہر القادری صاحب کے بیان سے یاد نہیں کیا - میں دعویٰ نہیں کرتی البتہ عربی میں نے خود پڑھی ہے - ان کے اپنے الفاظ میں میرا اپنا نالج ہے - دوسرے یہ کہ طاہر القادری کیوں مورد الزام ہیں؟ ان کا اجتہاد ہے - انہوں نے ایک چیز میں کوشش کی ہے - ان کو کچھ احادیث نظر آئی ہونگی - میں یہ نہیں سمجھتی کہ وہ اتنے ملزم یا قرآن و سنت کے خلاف انتشار پھیلانے والے ہیں - ان کو ایسا تو الزام نہ دیجیئے - اگر وہ آپ کے حق میں نہیں - آپ کا مقصد ہے - اجتہاد کرنا - آپ اپنے دلائل دے رہے ہیں - اس کو اس طور پر لیں کہ وہ آپ کی بات نہیں مان رہے - اس لیے ان کا احترام بھی نہ کریں -

گیلانی صاحب: نہیں محترمہ! ہم ان کا بہت احترام کرتے ہیں - انہیں علامہ سمجھتے ہیں

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: محترمہ بہن آپ کا شکریہ - آپ نے بہت اچھی باتیں ارشاد فرمائیں مولانا طاہر القادری صاحب بھی بہت بڑے عالم ہیں - ہم ان کا دل سے احترام کرتے ہیں آپ نے جن آیات کا حوالہ دیا کہ مذکر کے صیغے ہیں اور مؤنث ان میں شامل ہے - یقیناً شامل ہے - قرآن کریم کا یہی انداز ہے - کہ بالعموم مذکر کے صیغے استعمال کرتا ہے - اور عام ہوتا ہے قرآن کریم نے دیت کے معاملے میں جو آیت پیش کی ہے اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں - قرآن نے فرمایا ہے - دیت عورت کی بھی دینی پڑے گی اور مرد کی بھی - اب کتنی دیتی

پڑے گی یہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مرد کے سو اونٹ ہوں گے اور عورت کے پچاس۔

خورشید النساء: یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہاں لفظ مومن ہے، اور اس سے مراد مرد ہے۔ تو پھر کوئی ایسی دوسری آیت بتایئے جس میں عورت کے قتل ہونے کا قرآن نے ذکر کیا ہو۔

مولانا گوہر الرحمٰن صاحب: ہم تو یہی عرض کر رہے ہیں کہ عورت اسی میں شامل ہے۔ دیت عورت کی بھی واجب ہے۔ اور مرد کی بھی......

مفتی صاحب: ٹھیک ہے محترمہ! اگر صحابہ و تابعین، ائمہ کرام جن کے ذریعے سے ہمیں اسلام پہنچا ہے۔ اگر آپ اس شرعی حکم کو بھی ان سے لینا چاہتے ہیں تو بالکل واضح بات ہے۔ اگر آپ ڈائریکٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا چاہتی ہیں اور اپنے اندر اس طرح کی صلاحیت یا حیثیت پاتی ہیں تو یہ بھی آپ واضح فرما دیجئے۔ یہ دین آپ کو ائمہ کرام سے ملا ہے۔ یا ڈائریکٹ قرآن و سنت کو سمجھ کر نماز آپ نے اپنے اوپر فرض تصور کر لی ہے۔

خورشید النساء: جی میں سب سے پہلا درجہ تو قرآن کو دیتی ہوں۔ اس کے بعد احادیث پھر ائمہ کرام

مفتی صاحب: ٹھیک ہے تو جب قرآن کسی چیز کو مبہم بیان کرتا ہے تو پھر آپ اس کی تفسیر کہاں سے لیتی ہیں؟

خورشید النساء: حدیث شریف سے۔

مفتی صاحب: تو ہم یہی چیز پیش کر رہے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس میں حضور نے عورت کی دیت کو سو اونٹ قرار دیا ہو۔ لفظ "عورت" کی بات ہو رہی تھی نہ کہ "نفس" کی۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: ایسی حدیثیں ہیں جن میں عورت کی نصف دیت کا ذکر ہے۔

مفتی صاحب: اس کے برعکس بے شمار حدیثیں ہیں اور گننے سے بھی زیادہ ہیں جن میں واضح لفظوں میں موجود ہے کہ عورت کی جو دیت ہے۔ مرد کی دیت کا نصف ہے۔

ریاض الحسن نوری صاحب: نہیں ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ان احادیث میں سے کوئی صحاح میں بھی ہے۔؟

مفتی صاحب: ایک منٹ اب بات یہ ہے کہ

خورشید النساء: یہ حدیث ہے نا کہ ان من النفس دیۃ مائۃ من الابل یہاں نفس آگیا۔ آپ یہاں سے عورت کو خارج کر رہے ہیں۔

مفتی صاحب: یہ عرض کروں گا شاید آپ ہماری گفتگو کو نہیں سمجھی ہیں میں نے عرض کیا تھا کہ اگر آپ اس حدیث کو اچھی طرح پڑھ جائیں تو جن کا ذکر میں نے کیا ہے۔ ان قرائن کی روشنی میں عورت اس میں شامل نہیں ہے۔ عورت کی دیت حضورؐ اکرم نے علیحدہ دوسری احادیث میں بیان فرما دی ہے۔ وہ قرائن ہم نے بیان کر دئیے ہیں۔ پھر اہل لسان نے جو کچھ سمجھا ہو گا۔ ان میں محدثین ائمہ کرام شارحین حدیث ہیں جنہوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔

نوری صاحب: شلتوت اہل لسان نہیں ہے۔ جو جامعہ ازہر کے ریکٹر تھے میرا ایک سوال ہے۔ آپ نے جو دلیل دی ہے۔ اہل لسان کی تو شلتوت برابری کے قائل ہیں۔

مفتی صاحب: ہم تو آپ کو بھی ان سے بڑا انسان سمجھتے ہیں۔ شلتوت صاحب سے تو ہمارے مقابلے میں جب آپ بیٹھے ہیں تو اپنا نام لیجئے آپ شلتوت کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔

نوری صاحب: ان کو امام العصر کہا جاتا ہے۔ میں تو کیا ہوں ان کے سامنے آپ بھی تو ماشاءاللہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں تو اب اس سلسلے میں حدیث شریف جو ہے۔ حضور اکرم کی جس میں عورت کی دیت کو نصف ارشاد فرمایا۔ دلالۃ۔ اشارۃ۔ صراحۃ میں وہ حدثیں پیش کرتا ہوں۔ مسلم شریف میں جلد ثانی اور اس کا صفحہ ۶۲ اس میں ایک واقعہ آیا کہ حضور اکرم کے زمانے میں دو عورتیں ایک دوسرے سے لڑ پڑیں ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر مارا جس سے اس کا بچہ جو تھا وہ ضائع ہو گیا اور وہ خود بھی مر گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کی دیت بھی مقرر فرمائی اور اس عورت کی بھی اس بچے کی

متعلق حدیث میں جو الفاظ آتے ہیں۔ وہ ہیں جنین اس کی دیت کے بارے میں جو الفاظ آتے ہیں وہ غُرہ کے ہیں اور الفاظ حدیث یہ ہیں کہ فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دیة جنینها غرة۔ کی آگے تفصیل فرمادی کہ عبد ہے۔ یا لونڈی ہے۔ اس غرہ کے لفظ پر شارحین نے جو جو استدلال کیا ہے۔ وہ بالکل واضح لفظوں میں فرماتے ہیں کہ المعتبر عندهم ان یکون قیمتها عشر دیة الام او نصف عشر دیة الاب" اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور دوسرے ائمہ بھی لفظ غرہ کے متعلق کہ غرہ کے معنی تو عبد کے ہیں اور غرہ کے معنی لونڈی کے بھی ہو سکتے ہیں اور عبد کی قیمت زیادہ بھی ہوتی ہے اور عبد کی قیمت کم بھی ہوتی ہے اور اسی طرح لونڈی کی قیمت زیادہ بھی ہوتی ہے۔ اور کم بھی تو اس کی قیمت کتنی ہونی چاہیئے عبد یا لونڈی جنین کی دیت میں دیا جائے۔ کون اس کا فیصلہ کرے گا۔ وارث تقاضا کریں گے ہمیں قیمتی ملنا چاہیئے اب اس سلسلہ میں حدیث نے اس کو واضح نہیں کیا فرماتے ہیں " المعتبر عندهم ان یکون قیمتها عشر دیة الام او نصف عشر دیة الاب " فقہاء کے نزدیک غرہ کی قیمت ماں کی دیت کا دسواں حصہ یا باپ کی دیت کے دسویں حصہ کا آدھا ہے اگر مرد اور عورت کی دیت برابر ہے۔ تو پھر یہاں عشر اور نصف عشر کی قید کیوں لگائی گئی ہے اس سے بالکل واضح اور ثابت ہوتا ہے۔ کہ حدیث پاک میں آیت دیت کی وضاحت میں اشارہ ہے کہ عورت اور مرد کی دیت ۔ ۔ ۔ بالکل مساوی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں " واتفق العلماء ان دیة الجنین دیة الغرة کانت الجنین ذکرا او انثی " اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر وہ زندہ پیدا ہو کر پھر تصادم سے یا مارنے سے مرا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کان ذکرًا وجب مائة بعیروان کان انثی فخمسون اگر لڑکا ہو تو سو اونٹ اور اگر لڑکی ہو تو پچاس اونٹ ثابت ہوتے ہیں اب یہ دیکھئے حدیث صحیح مسلم اس کی شرح کرتے ہوئے۔

ریاض الحسن نوری: یہ شرح ہے۔ حدیث نہیں ہے۔

مفتی صاحب: اگر شرح کو حدیث سے تعلق نہ ہو تو شارحین کی شرح بے کار ہے۔ لہٰذا

یہ ماننا پڑے گا کہ اس حدیث کی رو سے دلالۃ اور اشارۃ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیئے ایک شارح نے نہیں سب شارحین نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ عمدۃ القاری ۲۴۳ صفحہ بدرالدین عینی نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ یہ دوسری کتاب نسائی شریف جو صحاح ستہ میں سے ہے اور اس کا صفحہ ۲۴۵:

نوری صاحب: یہ روایات سب جانتے ہیں یہاں جتنے علما بیٹھے ہوئے ہیں سب نسائی پڑھے ہوئے ہیں۔

مفتی صاحب: نہیں میں آپ سے عرض کروں گا۔ آپ ذرا غور فرمائے یہ حضرت عمرو بن شعیبؓ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایاؐ عقل المرءۃ نصف عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا "کہ عورت اور مرد کی دیت میں مماثلث ثلث تک ہے اب بتائیے اس سے اوپر کیا ہے۔ اگر عورت کی دیت اور مرد کی دیت برابر تھی۔ تو پھر ثلث کی یہاں قید لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: یہ زخموں میں ہے۔

مفتی صاحب: جی ہاں زخموں میں اس سے اوپر بتائے کہ اس کا کیا حکم ہے۔

گیلانی صاحب: نہیں آپ پر اعتماد ہے۔ مفتی صاحب کتاب دکھانے کی ضرورت نہیں صرف نام بتا دیجیئے

نوری صاحب: صرف ایک حوالہ کافی ہے۔

مفتی صاحب: اس کے بعد میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث میں اسماعیل بن عیاش راوی کے بارے میں بھی کہا گیا۔ شاید آپ بعد میں کہیں میں پہلے ہی اس کے بارے میں عرض کر دوں یہ التاج الجامع الاصول فی عھد الرسول ہے۔ اس کے صفحہ گیارہ پر اسی دیت کی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں " وعنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عقل المراۃ مثل عقل الرجل حتی یبلغ الثلث من دیتھا " اس پر فرماتے ہیں " فارش المرءۃ فی الجراحات کارش الرجل زخموں میں برابر ہے دون الثلث۔ فان زاد فعلی النصف من ارش الرجل۔ وقال اللیث وثوری ... وانھا نصف الرجل فی القلیل والکثیر لحدیث البیہقی "

اگر دیت ثلث سے بڑھ جائے تو مرد کے زخم کی دیت کی نصف ہو گی۔ اور یہی قول امام لیث اور ثوری کا بھی ہے۔ کیونکہ بیہقی کی حدیث کے مطابق جراحات میں قلیل اور کثیر میں دیت نصف ہے۔ دارقطنی اور نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام بیہقی کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل "۔ حضرت معاذ بن جبل والی حدیث کو فرماتے ہیں دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل اس پر فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض نے اس کی سند کو ضعیف کہا لیکن ورد من طرق اخری یعنی یہ حدیث معاذ کئی روایتوں سے ثابت ہے بلفظ دیۃ المرأۃ نصف دیۃ الرجل فی الکل لہٰذا سترہ حدیثیں تو بیہقی شریف میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں۔ جن پر کسی قسم کی کوئی جرح نہیں کی جاسکتی اور حدیث کی جو کتاب ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ اس میں بھی یہ ملاحظہ فرمائیے۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم عن شریح قال اتانی عروہ البارقی من عند عمران جراحات الرجال والنساء یستوی فی السن والموضحہ ومافوق ذالک فدیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل یہ مصنف ابن ابی شیبہ ہے۔ اور اس کے جتنے رجال ہیں ہم نے ان کو اچھی طرح کتابوں میں دیکھا ہے سب کے سب ثقہ ہیں اور ان پر کوئی طعن نہیں ہے۔

نوری صاحب: یہ روایت بیہقی میں نقل ہے۔

مفتی صاحب: کونسی۔

نوری صاحب: یہ روایت جو ابھی آپ بیان فرما رہے ہیں۔

مفتی صاحب: یہ دوسری حدیث ہے جسے امام ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے۔

حدثنا علی بن معد عن ہشام عن الشعبی عن شعیب.... کتب الیہ لیسئلہ فکتب الیہ ان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل اس کے بعد اگلی حدیث روایت فرماتے ہیں جراحات کے اندر جس میں آپ برابر کا قول فرما رہے ہیں۔ اس میں ہے۔ والمرءۃ یستوی جراحات النساء والرجال جراحات میں برابری ہے قتل میں نہیں۔

نوری صاحب: ہمارا موضوع قصاص اور دیات ہے۔ اس میں سبھی آجاتے ہیں۔

مفتی صاحب: نہیں ہم یہ عرض کریں گے آپ سے کہ جو ما بہ النزاع ہے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث لے آئیں آپ یہ ثابت کریں کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں نصف نہیں ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف ثابت کریں۔

نوری صاحب: میں تو آپ سے ایک مسئلہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ .....

مفتی صاحب: اسی طرح فرماتے ہیں کہ ہمیں کوئی صحیح حدیث دکھاؤ۔ یہ دیکھیے یہ ہے مجمع الزوائد۔ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کا صفحہ ص ۲۹۹ جلد چھٹی۔ (نوری صاحب نے بھی حوالہ نوٹ کرلیا) یہ فرماتے ہیں وقال علی علی النصف من کل شئ دیت جو ہے۔ ہر شی میں عورت کی مرد کے مقابلے میں نصف ہے۔ زخموں میں بھی اور قتل میں بھی رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح جو حضرات فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث صحیح دکھاؤ تو ہم اپنے موقف سے دستبردار ہوجائیں گے ہم ان سے کہتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں ایک محدث اس کے بارے میں فرمارہے ہے۔ ورجالہ رجال الصحیح الحمد للہ ہم اپنے موقف کو ہر قسم کی موقوف حدیثوں سے مرفوع حدیثوں سے مرسل حدیثوں سے اور صحیح السند حدیثوں سے ثابت کرچکے ہیں۔ اور اس کے بعد کوئی حجت دوسرے طریقے سے نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی شخص مانتا ہے۔ تو اس کی خوش قسمتی ہے۔ اگر نہیں مانتا تو وہ جانے اور اس کا خدا جانے کیونکہ منوانا تو ہمارا کام نہیں ہے۔ اس کے بعد بات ہورہی تھی۔ اجماع کی تو تمام ائمہ میں سے جس کی بھی آپ کتاب اٹھاکر دیکھیں گے تو سب یہی لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے۔ ہم نے اس وقت کہا تھا کہ آپ یہ ثابت کریں کسی نے کہا ہو اس پر اجماع ثابت نہیں۔ اجماع کی نفی کسی نے کی ہو۔ باقی تو آپ فرماتے ہیں کہ فلاں بات پر اجماع ہوا تو فلاں نے نفی کردی آپ اس کی نفی کو کیوں نہیں دکھاتے ہمارا سوال تھا کہ ہمارا جو دعوئی ہے کہ ابن علیہ اور اصم کے سوا اس میں کسی کا اختلاف دکھائیں اور انہوں نے جو اختلاف کیا ہے۔ اس کو اختلاف شمار ہی نہیں کیا یہ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد چھ صفحہ (۳۲۵) پر فرماتے ہیں اجمع العلماء۔

نوری صاحب: بھئی قرطبی وغیرہ تو ہماری دیکھی ہوئی ہے۔ آپ ابن علیہ وغیرہ کے بارے میں فرمائیے۔

مفتی صاحب: یہ تفسیر مظہری ص ۱۹۰-۱۹۱ پر لفظ اجماع موجود ہے۔ اسی طرح جامع البیان فی تفسیر القرآن ابن جریر طبری کی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے۔ اور جس شخص نے اختلاف کیا اس کے اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں کہ کسی نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور الانصاف فقہ حنبلی کی معتبر کتاب ہے۔ جلد دس ص ۶۳ پر فرماتے ہیں لا نزاع فیہ یعنی اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے چاروں مذاہب کے ائمہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہ ہم نے اس معاملہ میں اختلاف ہی نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد پھر نزاع پیدا کرنا تو میں سمجھتا ہوں ان ائمہ سے ہٹ کر اپنا علیحدہ راستہ اختیار کرنا ہے۔ اس کے بعد المغنی امام ابن قدامہ میں بڑی پتے کی بات ہے۔ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں دیة الحرة المسلمة نصف دیة الحر المسلم۔ قال عبد المنذر و عبد البر اجمع اہل العلم علی ان دیة المراة نصف دیة الرجل

یعنی اہل علم کا اس پر اجماع ہے اور ابن علیہ اور اصم نے اس سے اختلاف کیا۔ انہوں نے کہا دیتھا کدیة الرجل لقول فی نفس المؤمنة مأة من الابل ان لوگوں نے ابن علیہ کی تقلید اختیار کر رکھی ہے۔ اور تمام ائمہ کو چھوڑ کر صرف دو کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ جن کے بارے میں لکھا ہے۔ تمام ائمہ نے کہ وہ معتزلی تھے۔ بلکہ لسان المیزان میں تو لکھتے ہیں کہ وہ ابن علیہ خبیث ترین آدمی تھا۔ اس کے زمانے میں سب نے اس کو خبیث کہہ کر رد کر دیا تھا۔ اور ہمیشہ اس نے جو مسئلہ بھی بیان کیا۔ اجماع کے خلاف بیان کیا۔ اور اس کے تمام اقوال کو ائمہ نے رد کر دیا تھا۔

مولانا عبد الرحمٰن صاحب: کتابوں میں ہے کہ "فتّین" تھا۔

مفتی صاحب: میں خبیث کے الفاظ دکھا سکتا ہوں۔ ابوبکر اصم کے لیے لسان المیزان میں یہ الفاظ موجود ہیں فرماتے ہیں "کان معتزلیا وقد دیا" کہ وہ صحیح العقیدہ نہ تھا بلکہ بدعقیدہ شخص تھا۔ تو یہ فرماتے ہیں کہ ھذا قول شاذ یخالف اجماع الصحابة وسنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بتائیے کہ جن لوگوں نے

سنت کے خلاف راستہ اختیار کیا ہو ان کے پیچھے چلنا نجات کا راستہ ہے۔ یا ہلاکت کا۔
(بیک آواز اکثر حاضرین نے کہا کہ ہلاکت کا راستہ ہے۔)

اس کے بعد آگے کی بات سنیئے فرماتے ہیں: ان فی کتاب عمرو بن حزم دیۃ المراۃ علی النصف من دیۃ الرجل یہ عمرو بن حزم کے جس خط کا ذکر کیا جاتا ہے۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اس خط کے آخر میں نبی اکرمؐ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور یہ بالکل اس بات کا قرینہ بھی ہے کہ پہلے خط کے اندر عورت کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ اور جو قرینہ وہاں ہے۔ یہ ہے۔ کہ نفس میں عورت شامل نہیں ہے۔ اس لیے حضورؐ نے خط کے آخر میں اس کا ذکر علیحدہ فرمادیا۔ یہاں ابن قدامہ فرماتے ہیں وھی اخذت مما ذکروا وھو فی کتاب واحد۔ یہ دونوں باتیں کہ نفس میں سو اونٹ ہیں اور عورت کی دیت نصف ایک ہی خط میں ہیں۔ فیکون ما ذکرنا مفسرا لما ذکروہ مخصصا لہ یہ اس کیلئے مخصص ہے۔ یہ صرف ایک شخص نہیں کہہ رہا۔ بلکہ دوسرے فاضل بھی کہتے ہیں کہ یہ اضافہ موجود تھا۔ یہ دیکھیئے الروض المربع یہ فقہ حنبلی کی کتاب ہے۔ اس میں ص۳۳۹ پر انہوں نے اسی خط کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں "دیۃ نساء المسلمین علی النصف من دیۃ ذکورھم" مسلمان عورتوں کی دیت ان کے مردوں کی دیت کا نصف ہے۔" لما فی کتاب عمرو بن حزم "گویا یہ بھی مانتے ہیں کہ عمرو بن حزم کے خط میں یہ عبارت ہے۔ یہ دو شاہد ہیں۔ اس بات کے اور شاہد عام بھی نہیں بلکہ ائمہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اس خط میں موجود تھی۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: رافعی الکبیر میں بھی یہی عبارت منقول ہے۔

مفتی صاحب: آپ حضرات اہل علم ہیں اور جانتے ہیں کہ نفی اور اثبات میں جب تعارض ہوتا ہے۔ تو ترجیح اثبات کو دی جاتی ہے۔ نفی کو نہیں۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: "زیادۃ الثقۃ مقبولۃ"

مفتی صاحب: ہاں، مقبولۃ۔ اس لیے کہ نفی کرنے والا اپنی لاعلمی کی بنیاد پر نفی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اسے یہ بات معلوم نہیں۔ اور جو اثبات کر رہا ہے۔ وہ واقعہ کو ثابت کر

رہا ہے۔

نوری صاحب: آپ نے تو مناظرہ شروع کر دیا ہے۔ یہ باتیں ہم سب کو معلوم ہیں یہ وقت ضائع کرنا ہے۔

گیلانی صاحب: عمرو بن حزم کے خط میں جو اضافہ ہے کہ عورت کی دیت نصف ہے اس اضافے والی عبارت کی سند کیا ہے۔؟

نوری صاحب: ہاں یہ بات فرمایئے۔

مفتی صاحب: میں عرض کرتا ہوں۔ جب ثقہ ائمہ بیان فرما دیں تو ان کا بیان کرنا ہی سند ہوتا ہے۔

نوری صاحب: تو پھر اسماء الرجال کی تمام کتابوں کو غلط کر دیجیئے۔

مفتی صاحب: آپ مجھے اسماء الرجال کی کتابوں سے اس خط کی نفی کر دیں کہ کوئی ثقہ محدث کہے کہ میں نے اس خط کو اول سے آخر تک پڑھا ہے۔ اور اس میں عبارت نہیں تھی۔

نوری صاحب: زہری نے کہا ہے۔ کہ میں نے اس خط کو پڑھا۔

مفتی صاحب: کس نے؟

نوری صاحب: زہری نے۔ زہری نے کہا ہے۔ کہ میں نے اس خط کو پڑھا ہے۔ زہری کی روایت میں ہے۔

مفتی صاحب: تو کیا انہوں نے اس کی نفی کی ہے۔ کہ یہ عبارت اس میں نہیں ہے۔

نوری صاحب: نفی نہیں کی۔ لیکن اپنی روایت میں خط کا یہ حصہ بیان نہیں کیا۔

مفتی صاحب: تو زہری نے نفی تو نہیں کی۔ بات ختم ہو گئی۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ امام زہری کا عورت کی دیت میں مسلک کیا ہے۔ وہ نصف دیت کو مانتے ہیں یا پوری کو؟

نوری صاحب: میری بات سنیئے.........

گیلانی صاحب: اصل بات یہ ہے کہ وہ نصف دیت کا خط میں جو حصہ ہے اس کی سند ہے۔ یا نہیں؟

نوری صاحب: ہاں یہ سوال ہے؟

مفتی صاحب: جی اس کی الگ سے ہمارے پاس کوئی سند نہیں۔ ائمہ کا بیان کر دینا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: ایک بات میں عرض کر دوں اصل بات یہ ہے کہ علماء نے بڑی بہترین معلومات ہمارے سامنے پیش کیں۔ مولانا طاہر القادری صاحب نے بھی اپنے علم کے مطابق تحقیقات کیں۔ انہوں نے بھی خلوص کے ساتھ محنت کی ہے۔ ہمارے دل میں ان کی بہت قدر ہے۔ مناظرے کی بات اور ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ میرے ایک مضمون میں یہ ساری بحث موجود ہے اخبار میں آگئی ہے۔ ساری چیزیں نقل کی ہیں۔ یہ جو اضافے والی بات ہے یہاں بھی اپنے مضمون میں میں نے تسلیم کیا ہے کہ یہ ہماری اصل دلیل نہیں ہے۔ اس کو ہم استدلال میں پیش نہیں کرتے بلکہ تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ابن قدامہ نے اور رافعی کبیر وغیرہ وغیرہ نے نقل کیا ہے چونکہ یہ بہت بڑے محدثین ہیں تو کچھ بنیاد ہو گی جس کی بنا پر انہوں نے نقل کیا ہے اصل دلائل ہمارے اور ہیں جن کو ان حضرات نے چھیڑا تک نہیں۔ ہم نے ایک حدیث بیہقی کی بیان کی انہوں نے اعتراض کیا ہم نے جواب دیا اب ہمارے اس جواب کا جواب دینا چاہیئے۔ عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کیا۔ حضرت علی اور عمر سے جو نقل کیا شعبی اور ابراہیم نخعی نے۔ ان کے اعتراض کا ہم نے سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔ کہ مراسیل شعبی و نخعی حجت ہیں اس کے بعد اجماع کا دعویٰ ابتداء سے آخر تک ساری کتابوں سے نقل کیا اور حضرت نے مفتی صاحب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) مہربانی کر کے الفاظ بھی پڑھ دیئے۔ جناب قادری صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ بعض لوگ ویسے ہی اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا اور ایسی مثالیں بھی ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ اس کی تکذیب کر دیتے ہیں۔ لیکن یہاں تو کسی نے تردید نہیں کی ہے۔ کہ یہاں اجماع نہیں ہے۔ تو میرے خیال میں تو کوئی نئی بات ہوتی تو میں اپنے موقف سے واپس ہو جاتا اور رجوع کر لیتا۔

نوری صاحب: احتجاجاً۔ آپ سب لوگ بول رہے ہیں ہمیں تو کوئی بولنے ہی نہیں دیتا۔

سراج منیرؔ اور دیگر کئی آوازیں: اب آپ اپنا مؤقف وضاحت سے بیان فرمادیں

نوری صاحب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت کی دیت کا مسئلہ ہو یا کوئی دوسرا مسئلہ - خرابی یوں ہوتی ہے کہ صحیح احادیث سے صرف نظر کر کے موضوع یا منقطع روایات سے کر عقل و قیاس کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں - رومی تہذیب کی پیروی میں ناقابل اعتبار لوگوں نے حضرت علیؓ کی طرف قرآن کے مخالف یہ قول بھی منسوب کر دیا کہ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل نہیں کیا جا سکتا - البتہ اس صورت میں ایسا کیا جا سکتا ہے کہ قاتل کو نصف دیت بھی ادا کی جائے - گویا نہ صرف قتل خطاء بلکہ قتل عمد اور قصاص میں بھی عورت کی حیثیت نصف قرار دے دی - اس روایت کو نہ صرف امامیہ بلکہ امام شافعی نے بھی اسے اپنا لیا (فقہ الامام جعفر الصادق ۶:۶ ۹ ۳۲)-

حنفی فقہار ائمہ ثلاثہ اور فقہائے سبعہ کی مخالفت کرتے ہوئے امامیہ سے اس بات میں متفق ہو گئے کہ ناک - کان آنکھ میں عورت کا قصاص مرد سے نہیں لیا جا سکتا بلکہ ان اعضاء کی دیت دی جائے گی اور وہ بھی مرد سے آدھی جو کہ قرآنی آیت کہ زخموں کا قصاص لیا جائے گا کے بھی خلاف ہے - یوں ابن حزم کو موقعہ مل گیا کہ وہ حنفیوں کو سخت دست کہ ڈالیں - وہ لکھتے ہیں کہ حنفی فقہار ذمی کے ہاتھ کے بدلے میں مسلمان مرد کا ہاتھ تو کاٹ دیتے ہیں لیکن مسلمان عورت کے ہاتھ کے قصاص میں مسلمان مرد کا ہاتھ نہیں کاٹتے - اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ اگر مسلمان عورت کا ہاتھ عمداً ذمی کاٹ دے تو حنفیہ اس ذمی کا ہاتھ نہیں کاٹتے حالانکہ خدا نے قرآن میں فرما دیا ہے کہ تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور یہ بھی فرما دیا کہ کافر کو مؤمن پر کوئی سبیل نہیں (المحلی: ۱۰: ۳۵۲) خاکسار اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ حنفیہ ذمی سے مسلمان عورت کے ہاتھ کی دیت کا نصف دلواتے ہیں حالانکہ ذمی نے عمداً مسلمان عورت کا ہاتھ کاٹا ہو - یہ سب طعن ہمارے بزرگوں کو جن کے قدم ہمارے

سر آنکھوں پر ہیں اور حق کے جوتوں کے صدقہ میں ہم بخشش کی امید رکھتے ہیں۔ محض منقطع روایات پر اعتماد کرنے اور قیاسی گھوڑے دوڑانے کی وجہ سے سننے پڑتے ہیں اور ہمارا بھی سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ مزید فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین جیسے عظیم علماء جو اس وقت جنت میں ہوں گے نے ضعیف احادیث کو قبول کرنے کی وجہ سے یہ فتویٰ دے دیا کہ دو آدمی مل کر اگر کسی کو قتل کریں ایک تیز دھار آلے سے وار کرے اور دوسرا لاٹھی سے تو کسی سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ دونوں سے نصف دیت لی جائے گی۔ پھر اگر گلا گھونٹ کر مارا تو بھی قاتل سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ پھر زبردستی کسی کو زہر پلا کر مار ڈالا جائے تو بھی قصاص نہ لیا جائے گا۔ اور اگر کسی کو زہر کا پیالہ دیا اس نے لے لیا اور بغیر زبردستی کے پی لیا تو نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ دیت چاہے پینے والے کو زہر ہونے کا علم ہو چاہے نہ ہو۔ یہ ذخیرہ میں ہے (دیکھئے فتاویٰ عالمگیری: ۶: ۴، ۶،۵) ان فتاویٰ کے بنیاد دارقطنی کی ضعیف حدیث ہے کہ کل شئی خطاء الا السیف (سنن دارمی ۳: ۱۰۶) یعنی ہر قتل خطاء ہے سوائے جو قتل تلوار سے کیا جائے۔ اسی وجہ سے لاٹھی، پتھر، زہر سے ہلاک کرنے پر حنفیہ قصاص کے قائل نہیں۔ فتوے بڑے بڑے نیک لوگوں سے بھی صادر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے عورت کی نصف دیت کا فتویٰ بھی ضعیف راویوں کا شاہکار ہے جب حنفیوں کی اکثریت نے اسے قبول کر لیا تو ان کی کثرت سے شوافع بھی زیادہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

عورت کی دیت سے زیادہ شدید اختلافات ذمی کی دیت میں ہیں جو حنفیہ کے نزدیک مسلمان کے برابر ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں نصف ہے شوافع کے ہاں تہائی ہے اور امامیہ کے ہاں تو دسویں حصہ سے بھی کم یعنی صرف آٹھ سو درہم ہے (فقہ الامام جعفر الصادق: ۶: ۵۳۵)۔

بخاری و مسلم کی احادیث کے مطابق ذمی کی دیت نصف ہے جب کہ کمتر درجہ کی روایات برابری کی بھی ہیں۔ لیکن سیوطی لکھتے ہیں کہ معاہد کی دیت پہلے برابر تھی لیکن حضورؐ کے آخری زمانے میں نصف کر دی گئی (درالمنثور: ۲: ۱۹۴)۔ جمال الدین قاسمی مختلف روایات کو ذکر کر

سے فرماتے ہیں کہ بظاہر کافر کی دیت فرض تو نصف ہی ہے لیکن ذمی کی دیت اگر بطور مہربانی ولطف وکرم سے مسلمان کے برابر قرار دے دی جائے تو تمام روایات کے مجموعہ پہ عمل بھی ہو جائے گا اور قرآنی آیت کا عموم بھی برقرار رہے گا (تفسیر قاسمی: ۴: ۱۴۵۰)

پس اس خاکسار کا مشورہ یہ ہے کہ جو لوگ عورت کی نصف دیت پر مصر ہیں اگر وہ لطف وکرم جو انہوں نے ذمیوں پر فرمایا ہے وہی کرم اگر اپنی ماؤں۔ بہنوں بیٹیوں پر بھی فرمادیں تو نہ صرف قرآن کے عمومی حکم بلکہ صحاح ستہ کی احادیث کے عمومی احکام پر عمل ہو جائے گا۔ مثلاً خطاء کی دیت سو اونٹ ہے۔

أ لا ان الدية الخطاء... مائة من الابل۔

(اسے بخاری نے تاریخ میں ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے)۔ دیکھیئے ابن الجارود کی المنتقی روایت نمبر ۷۷۳) اس کو بخاری نے تاریخ میں پانچ نسائی نے سنن میں آٹھ روایات میں بیان کیا ہے۔ مزید اصحاب سنن نے۔ فی دیت الخطاء کے الفاظ سے بھی روایت کیا ہے (جمع الفوائد روایات نمبر ۵۲۷۱، ۵۲۷۳) پھر ابوداؤد ونسائی نے ان الفاظ میں مزید حضورؐ کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی غلطی سے قتل ہو جائے اس کی دیت سو اونٹ ہے (جمع الفوائد روایت نمبر ۵۲۶۹) پھر یہ حدیث نفس مومنہ کے دیت سو اونٹ ہے اور بعض جگہ یہ آیا ہے کہ نفس کی دیت سو اونٹ ہے (محولہ بالا نمبر ۵۲۹۲) ہم منقطع اور ناقابل اعتبار راویوں کی وجہ سے بے شمار احادیث کے عمومی حکم: کہ جو غلطی سے قتل ہو اس کی دیت سو اونٹ ہے کیسے رد کر سکتے ہیں۔ اور کافروں کو کیسے مسلمان عورتوں پر فضیلت دے سکتے ہیں جبکہ امام شافعی نے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ عورت ہونے کا نقصان کفر کے نقصان سے کم ہے اور ذمی کی دیت ہرگز مسلمان عورت ہونے کا نقصان سے زیادہ نہیں ہو سکتی (تکملۃ فتح القدیر مؤلفہ ابن ہمام: ۱۰: ۲۷۸) ہم امام شافعی سے اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کی دیت ہرگز ذمی مرد کی دیت سے کم نہیں ہو سکتی۔ ذمی کی دیت پوری قرار دینے سے پہلے مسلمان عورت کی دیت پوری قرار دینا ضروری ہے۔

حضور کی سنت یہ ہے کہ عورتوں پر مردوں سے زیادہ مہربانی کی جائے۔ صلح

حدیبیہ کے موقع پر بیڑیوں میں بندھے ہوجب حضرت ابوجندل آئے توآپ نے معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا۔ حالانکہ مسلمان تڑپ اٹھے تھے اور حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا اور انہوں نے حضورؐ سے بحث شروع کر دی۔ اس کے برعکس جب ام کلثوم بن عقبہ مکہ سے چھپ کر آئیں جن کے اسلام کا بھی مسلمانوں کو علم نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا کہ مسلمان عورتوں کو ہرگز واپس نہ کیا جائے بلکہ فدیہ دے کر ان کی جان چھڑا ئی جائے۔ پس اسی حکم پر عمل ہوا۔ (سیرت ابن ہشام: ۲:۳۲۶)

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا

پس حضور کی مذکورہ بالا سنت کے پیش نظر اس بندہ حقیر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ سینکڑوں احادیث کے عمومی حکم کے خلاف چند ناقابل اعتبار دروغ گو راویوں کی روایت پر عمل کرے جب کہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ میں دو سنہری اسناد کی ثلاثی حدیث میں حضرت علیؓ کا یہ قول موجود ہو کہ مردوں و عورتوں کے زخم ہر معاملے میں اور کل چیزوں میں برابر ہیں۔ "تستوی جراحات الرجال والنساء فی کل شئ" (مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ: مخطوطہ: ۳: ۲: ۱۰۷) یہ بات بچہ بھی جانتا ہے کہ زخم مہلک بھی ہوتے ہیں اور غیر مہلک بھی۔ مذکورہ بالا حدیث جو امام شعبی کے طریق پر صحت کی انتہا کو پہنچی ہوئی حدیث ہے اس کی رو سے دونوں قسم کے زخموں میں عورت و مرد برابر ہیں۔ یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے جس میں یہ آیا ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں مزید نفس کی دیت بھی سو اونٹ ہے اور بہت سے غیر مہلک زخموں کی دیت بھی سو اونٹ ہے۔ بصارت۔ گویائی۔ قوت شامہ کے زوال کا سبب جو زخم بن جائے اس کی دیت بھی سو اونٹ ہے۔ پس جراحات کی احادیث سے نفس کی دیت میں استدلال کرنا بالکل صحیح ہے۔ دیت کے مسئلہ کو ایک وحدت کی طرح سے لینا چاہیے۔ مزید پیٹ کے بچے یعنی جنین کی دیت میں جنسی بنا پر تفریق نہیں کی جائے گی۔ اس پر احادیث صحیحہ کی رو سے اجماع ہے۔ پیٹ کا بچہ یا بچی مردہ پیدا ہو تو ایک

بردہ لونڈی یا غلام آزاد کیا جائے گا یا پانچ سو درہم دیے جائیں گے۔ اگر بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو لیکن پھر فوراً مر جائے تو دیت کاملہ ہوگی۔ اس پر بھی اجماع ہے۔ بلکہ ابن عبد البر تو وضاحت سے یہ فرماتے ہیں کہ جنین اگر زندہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے تو اس کی دیت ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم ہوگی (ابن عبد البر: کتاب الکافی: ۲: ۱۱۲۴) عربی لغت میں جنین کے لفظ میں پیٹ کا بچہ اور بچی دونوں شامل ہیں۔

مزید اس پر بھی اجماع ہے کہ لونڈی و غلام کی دیت میں جنس کی بنا پر تفریق نہیں ہوگی۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ لونڈی اور غلام کی دیت ان کی قیمت ہوگی چاہے جتنی ہو (المغنی: ۹: ۵۳۴) امام مالک کہتے ہیں کہ چاہے ایک لاکھ ہی کیوں نہ ہو (المدونہ: ۶: ۳۹۷) پس جب پیٹ کے بچہ اور بچی میں اور لونڈی و غلام کی دیت میں جنس کی بنا پر تفریق نہیں تو آزاد مرد و عورت کی دیت میں تفریق کیسے کی جا سکتی ہے۔ بعض احادیث اور فقہی اصول کی بنا پر متقی اور فاسق کی دیت میں تفریق تو ممکن ہو سکتی ہے۔ لیکن جنس کی بنا پر تفریق تو ایک ایسا عجوبہ ہے جو ناقابل اعتبار روایات اور غلط قیاس کی وجہ سے وجود میں آیا۔

حضرت علیؓ کی طرف منسوب عورت کی دیت قلیل و کثیر میں نصف قول کو مالکیہ اور حنابلہ رد کرتے ہیں کہ یہ قول ثابت نہیں (المغنی: ۹: ۵۳۳) پس ہم بھی اسی بنا پر اس قول کو رد کرتے ہیں۔ پھر شوافع اور حنفیہ حنابلہ و مالکیہ کے اس قول کو رد کرتے ہیں کہ عورت کی دیت تہائی تک تو برابر ہے اور اس کے بعد نصف۔ کتاب الحجۃ کے حاشیہ میں صاف درج ہے کہ یہ قول حضور سے ثابت نہیں۔ پس اسی وجہ سے ہم بھی اس قول کو رد کرتے ہیں۔
اب صرف حضرت علیؓ کا وہ قول رہ گیا جس کو علو اسناد حاصل ہے۔ ثلاثی روایت ہے اور دو طرق سے صحت کی انتہا کو پہنچتی ہے۔ جس میں قلیل و کثیر میں اور ہر شئی میں عورت مرد کی دیت برابر ہے۔ یہ روایت اس بات کو بھی ثابت کرتی ہے کہ باجی کی المنتقی کے متعلق کتابت کی غلطی کا الزام غلط ہے اور باجی کے اس بیان میں کہ حضرات عمرؓ و علیؓ اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی کا ایک قول برابری میں بھی نقل ہوا ہے۔ اس میں کتابت کی کوئی

غلطی نہیں ہے یہ محض بدگمانی ہے جو المنتقی کے ناشرین کو خط لکھ کر دور کی جا سکتی ہے سلف میں قاضی ابن علیہ۔ قاضی ابن عطیہ اور امام الاصم اور ان کے متبعین برابری کے قائل تھے اور آج کے دور میں مصر کے مشہور محقق ابوزہرہ کے علاوہ اور بہت سے عرب علماء برابری کے قائل ہیں جو علمی لحاظ سے مجتہد ہونے کی شرائط پوری کرتے ہیں ہم تو ان بزرگوں کے دلائل سے متاثر ہو کر ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔

نصف دیت کی کوئی روایت مؤطا امام مالک بروایت امام محمد۔ آثار ابی یوسف بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد۔ منتقی ابن جارود۔ مستدرک حاکم۔ کتاب الدیات مؤمنہ امام ابوالعاصم وغیرہ بہت سی چوٹی کی کتب میں نہیں ہے تہائی تک برابری اور ربیعہ کی روایت جو ضعیف ملتی ہے اس کو حنفیہ خود رد کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے ربیعہ کی دلیل سے رد کرتے ہیں دھذا لا یصح۔ یہ صحیح نہیں (تحفۃ الفقہاء للسمرقندی : ۳: ۱۵۱)

مفتی صاحب: ایک بات ہماری سن لیجیے اور پھر ساری رات بولیئے ہم بھاگنے والے نہیں ہیں آپ موضوع سے نہیں نکلیں گے۔ موضوع ہے۔ عورت کی دیت۔ نہ نفس کی دیت نہ مؤمن کی دیت نہ انسان کی دیت۔ اب آپ فرمائیے۔

نوری صاحب: جب میں موضوع سے نکلوں اس وقت آپ مجھے ٹوکیئے پہلے سے کیوں قید لگا رہے ہیں۔ یہ بدگمانی بہت بُری چیز ہے۔ افسوس کی بات تو یہ کہ جس سے اختلاف ہوتا ہے۔ لوگ اس کو بہت گرا دیتے ہیں حتیٰ کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ جس کو نبی کریم نے رجم کیا تھا۔ لوگوں نے اس کے بارے میں کیا کیا کہا۔ کیوں کہا۔ اس لیے کہ وہ ان کے مقصد کے خلاف تھا اسی طرح ابن علیہ کون ہیں یہ امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں۔

گوہر رحمٰن صاحب: اب لقمہ دینا پڑے گا کہ نہیں جب آپ غلط بیانی کر رہے ہیں۔ امام ابن حنبل کے استاد ابراہیم ابن علیہ ہیں۔ یہ ابن علیہ نہیں ہیں۔

نوری صاحب: دیکھئے آپ مجھے بولنے ہی نہیں دیتے کمال ہے کہ امام

احمد بن حنبل کی لکھی ہوئی کتاب العلل ہے۔ اس میں ان کے بیٹے فرماتے ہیں سمعت ابیہ یقول لزمنا ابن علیہ بعد موت حتیم عشرہ سنین مجھے بتائیے یہاں ابن علیہ لکھا ہوا ہے۔ یہ ابن علیہ کون ہے۔ امام احمد بن حنبل کس کو ابن علیہ کہہ رہے ہیں امام احمد بن حنبل نے صرف ابن علیہ لکھا ہے۔ گویا ان کے بیٹے کے نزدیک اور خود امام صاحب کے نزدیک ابن علیہ وہ اسماعیل بن علیہ ہے۔ یہی ان کی کنیت تھی وہ اس نام سے مشہور ہیں

(نوری صاحب گیلانی صاحب کو کتاب دکھاتے ہوئے۔ آپ بھی دیکھیں)

گیلانی صاحب: ہمیں اعتماد ہے۔ آپ درست فرما رہے ہیں۔

نوری صاحب: یہ کتاب ابن سعد کی طبقات الکبری ہے۔ ابھی یہ چھپی ہے۔ اس سے پڑھ کر آپ کو سناتا ہوں۔ علیہ کے تین بیٹے دو تو قاضی اور ایک واقعی شیطان تھا۔

مفتی صاحب: اس کو بھی ابن علیہ کہا جاتا ہے۔

نوری صاحب: نہیں اس کو ابن علیہ نہیں کہا جاتا تھا۔ آپ کہتے ہیں تو کہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ عالمگیر۔ عالمگیر سے مراد وہ عالمگیر ہے۔ جو مشہور ہے۔ عالمگیر ثانی اس سے مراد نہیں ہو سکتا جب آپ اکبر کہیں گے تو اس سے مراد اکبر اعظم ہو گا۔ جب آپ ابن عمر کہیں گے تو اس سے مراد عبد اللہ بن عمر ہوں گے۔ دیکھیے یہ کہتے ہیں۔ (لسان المیزان دکھاتے ہوئے) فنشا بالبصرۃ" بصرہ میں جو بڑے بڑے علماء گزرے ہیں وہ کون گزرے ہیں؟" ومن المحدثین اسماعیل بن علیہ"

سوال یہ ہے۔ کہ امام احمد بن حنبل کیا کہہ رہے ہیں وہ ابن علیہ کے نام سے مشہور کون تھا۔ جس نام سے شاگرد اپنے استاد کو پکار رہا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ جب امام احمد ابن حنبل نے کہہ دیا تو پھر ثابت ہو گیا۔ یہ دیکھیے یہ تفسیر کبیر ہے۔

گیلانی صاحب: داتا گنج بخش صاحب قبلہ نے لکھا ہے۔ کہ مجھ سے کوئی میری تصنیف شدہ کتاب لے گیا اور اپنے نام سے شائع کر دی۔ یہ ابن علیہ ایسا تو نہیں؟

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: ہم نے جب اخبار میں یہ پڑھا کہ ریاض الحسن ڈپٹی اٹارنی جنرل بنا دیے گئے ہیں تو ہمارا خیال ان کی طرف (ریاض الحسن نوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) متوجہ ہوا۔

گیلانی صاحب: ہاں ایک ہی بات ہے۔ ہم دونوں ایک ہی ہیں۔ (قہقہہ)

نوری صاحب: ان کے ڈپٹی اٹارنی جنرل ہونے سے ہمیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔

گیلانی صاحب: آپ کتاب کا حوالہ بیان فرما دیں دکھانے کی ضرورت نہیں ہمیں۔ آپ پر اعتماد ہے۔

نوری صاحب: یہ طبری ہے۔ اس کی فہرست میں صا۹، صا۱۳۴، صا۲۴۰، ۲۴۲ یہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ حدثنا ابراہیم بن یعقوب قال حدثنا ابن علیہ۔ یہاں یہ پانچ چھ حوالے ہیں ان میں ابن علیہ آیا ہے۔ اب طبری میں جہاں بھی ابن علیہ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ یہ وہی ابن علیہ ہے۔ آپ سن چکے ہیں۔ کہ امام احمد نے کونسا ابن علیہ مراد لیا ہے" تقریب التہذیب" تو آپ لوگوں نے پڑھی ہوئی ہے۔ دیکھیے اس میں ابن حجر عسقلانی کیا لکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ جو صغار تابعین ہیں۔ ان کے سرخیل کون ہیں؟ ابن علیہ اور ابن عنییہ۔ یعنی اس گروہ کے سب سے بڑے جو تھے یہی تھے طبری جس کو دس پچاس مرتبہ کہہ رہا ہے۔ ابن علیہ اور امام احمد بن حنبل جن کی جوتیاں چومنا ہمارے لیے باعثِ فخر ہے وہ اپنے استاذ کو کہہ رہے ہیں ابن علیہ۔ ابن علیہ سے ہماری مراد بھی وہی ابن علیہ ہے۔ جو امام احمد کے استاذ ہیں۔ اگر آپ امام احمد کے مسلک کی تقلید کر سکتے ہیں تو میں اگر ان کے استاذ کی تقلید کرتا ہوں تو آپ مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ یہ ہے ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء۔ اس میں امام مالک کا ذکر ہے جس میں وہ فرماتے ہیں تین چار آدمیوں کا ذکر کر کے ابن علیہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن علیہ امام مالک کے صحابہ میں سے تھے۔ وہ کس کو کہہ رہے ہیں؟ کیا ذہبی کا مطلب ہے۔ کہ وہ شیطان ابن علیہ امام

مالک کا ساتھی تھا۔ ہرگز نہیں۔ یہاں بھی آپ دیکھیں ابن علیہ سے مراد وہی بڑی ہستی ہے۔ میں نے بہت مطالعہ کیا ہے۔ اور میرے نزدیک ابن علیہ وہی بڑی ہستی ہے۔ جو امام احمد کے استاذ ہیں اور اسی وجہ سے میں اس طرف راغب ہوا ہوں۔ اگر ابن علیہ کا یہ خیال نہ ہوتا تو میں کبھی اس طرف راغب نہ ہوتا۔

گیلانی صاحب: ہمیں آپ کے اس خیال کی بہت قدر ہے۔ اگر آپ کو یہ خیال نہ آیا ہوتا تو

مفتی صاحب: اس قدر تحقیق نہ کرتے اور آج ہم یہاں مل کر نہ بیٹھتے یہ سارا کچھ آپ کے خیال کی کرشمہ سازی ہے۔

مفتی صاحب: جی صحیح ہے۔

گیلانی صاحب: ابن علیہ کے بارے میں ایک بات تحقیق طلب رہ گئی وہ یہ کہ کہیں یہ ہے۔ کہ وہ ابن عُلَیَّہ جو دیت کی مقدار میں برابری کا فتوٰی دے رہا ہے اس کا نام اسماعیل بن علیہ تھا یا ابراہیم بن علیہ۔

نوری صاحب: میں بتاتا ہوں۔ بات یہ ہے۔ کہ علیہ کون تھی؟ علیہ ماں تھی۔ اسماعیل کی۔ ابن علیہ تو اس کو کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ وہ تو اس کی دادی ہوئی۔ دادی کے نام سے مشہور نہیں ہوتا کوئی بھی۔ اپنی ماں کے نام سے مشہور ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ تاریخ اور طبری نے ابن علیہ کس کو کہا ہے؟

مفتی صاحب: تو یہ وضاحت کیسے ہوئی۔

گیلانی صاحب: جو ابن علیہ محدث ہے۔ جس کے شاگرد امام احمد بن حنبل ہیں اور جو امام مالک کے معاصر ہیں۔ وہ تو اسماعیل بن علیہ ہیں۔ اب کہیں صراحت کے ساتھ کسی کتاب میں ذکر ہے۔ کہ برابری کے قائل یہی ابن علیہ ہیں؟

نوری صاحب: دیکھیے میری بات سنیئے۔ بات یہ ہے۔ کہ جب کسی کا نام لیا جاتا ہے۔

گوہر رحمٰن صاحب: ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ کا ذکر کتابوں میں موجود ہے جو المعروف

بابن علیہ"

گیلانی صاحب: مفتی صاحب! آپ یہ وضاحت کریں کہ جہاں یہ ذکر ہے کہ ابن علیہ نے مقدار دیت برابر قرار دی ہے۔ وہاں یہ صراحت ہے۔ کہ یہ ابراہیم بن علیہ ہے؟

مفتی صاحب: میں دکھاتا ہوں۔ یہ دیکھیے (کتاب اٹھاتے ہوئے) یہ ہے۔ ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا۔ کہ ابن علیہ دو ہیں۔ یہ اس کا کہنا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ کہ اس کا علیحدہ اپنا ایک مذہب ہے۔ اس بات کو آپ تسلیم کریں گے ....

گیلانی صاحب: نوری صاحب! آپ درمیان میں خواہ مخواہ دخل دے رہے۔ ہیں میں تو انہیں گھیر کے آپ کی تائید میں لا رہا ہوں۔ یہ جو فتویٰ ہے۔ کہ مرد اور عورت کی دیت برابر ہے۔ اس کی کہیں صراحت ہے۔ کہ یہ ابراہیم بن علیہ کا ہے؟

مفتی صاحب: یہ صراحت نہیں۔ اب میں عرض کروں کہ نہ ان کے پاس صراحت ہے نہ ہمارے پاس ہے۔ اب بات رہ جاتی ہے۔ قرینے کی.......

نوری صاحب: بھائی گفتگو تو میری ہو رہی تھی۔ درمیان میں تقریر آپ نے شروع کر دی۔

گیلانی صاحب: نوری صاحب! آپ بات سمجھیے نا! دیکھیئے نا آپ کی بات کو تقویت پہنچی کہ وہ یہ صراحت پیش نہیں کر سکے۔

نوری صاحب: دیکھیے میرے پاس تو صراحت ہے۔ کہ ابن علیہ وہی ہے جس نے یہ فتویٰ دیا ہے اور وہ امام احمد کا استاذ ہے۔ مجھے بتایئے۔ کہیں امام احمد نے اس ملعون کا نام لیا ہو۔ کہاں لیا ہے؟

مفتی صاحب: آپ پوچھ رہے۔ ہیں میں اب بتاؤں؟

گوہر رحمٰن صاحب: کس کتاب میں لکھا ہے۔

نوری صاحب: طبقات الفقہا للسیوطی میں

گوہر رحمٰن صاحب: احمد بن منیہ دوسرے محدث تھے کوئی مناظرہ نہیں ہے۔ اللہ خوف کرو کیا مصیبت ہے۔ جو آپ فرمارہے ہیں وہ نہیں ہے۔ آپ بھول رہے ہیں۔ میں کہہ رہا ہوں المعروف ابن علیہ ابراہیم ہے۔ تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ میزان میں لکھا ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں نہیں ہے۔

سراج منیر: جو بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے تمام استدلال کا مدار ابن علیہ اور اصم پر ہے۔

گیلانی صاحب: ان کا مطلب ہے۔ کہ ان دونوں نے اس مسئلے پر اختلاف کیا ہے۔ اور ان کی بھی کوئی حیثیت ہے۔

نوری صاحب: ابن علیہ کے متعلق تاریخ بغداد میں بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ ریحانۃ الفقہا تھے۔ سب محدثین سے کچھ نہ کچھ غلطی ہوئی مگر چار محدثین غلطی سے محفوظ رہے۔ ان میں سے ابن علیہ بھی تھے۔ بھئی دیکھئے نہ آپ فرماتے ہیں۔ ائمہ اربعہ لیکن میں نے غزالی کو پڑھا ہے۔ وہ پانچ امام لکھتے ہیں۔ انہوں نے سفیان ثوری کو بھی اماموں میں شامل کیا ہے۔ اسی طریقے سے اپنے زمانے میں اور بہت سے امام تھے ان کی بھی فقہ تھی اب قادری صاحب نے یہ فرمایا کہ قصاص کے مسئلہ پر اجماع ہے۔

مفتی صاحب: آپ موضوع سے باہر جارہے ہیں مسئلہ دیت کا ہورہا ہے آپ قصاص کو کیوں چھیڑتے ہیں؛

نوری صاحب: میری تو یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ اور دعوت نامے میں قصاص و دیت لکھا ہے۔

حافظ غلام حسین: نوری صاحب گزارش یہ ہے۔ کہ معاملہ چل رہا ہے۔ حیثیت نسواں اسلامی معاشرہ میں اور اس کی بحث ہو رہی ہے کہ عورت کی دیت کیا ہے۔ آپ اس کی دلیل دیں کہ عورت کی دیت مرد کے برابر ہے۔

نوری صاحب: بس اگر آپ حضرات ہی کو بولنا ہے۔ تو بات ختم۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب: نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

حضرات علماء۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری کی جانب سے میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس مجلس مذاکرہ میں شرکت فرمائی۔ اور اپنے اپنے دلائل وخیالات سے استفادہ کرنے کا ہمیں موقع عنایت فرمایا۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس مذاکرے میں آپ نے جو کچھ پیش کیا ہے۔ بغیر کسی قطع و برید کے آپ کی باتیں سہ ماہی رسالہ منہاج میں انشاءاللہ العزیز شائع کر دی جائیں گی۔

حضرات! میرا خیال ہے کہ اس وقت اس مذاکرے میں ملک کے مقتدر علماء اور قانون دان حضرات تشریف رکھتے ہیں اس لئے چند باتیں نہایت ادب سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یقین کیجئے کہ یہ باتیں خلوص نیت اور درد مندی پر مبنی ہیں۔ اس لیے آپ ان سے اختلاف کریں یا اتفاق ٹھنڈے دل سے ان پر غور ضرور فرمائیں۔

۱- پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ عورت کی دیت کا مسئلہ خالص علمی اور فنی مسئلہ ہے۔ عوام تو بیچارے عوام ہی ہیں میں نے اکثر علماء سے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور انہوں نے مجھے یہی جواب دیا کہ ہم نے ابھی اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ لہٰذا آپ حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ خدا کے لئے اس دقیق علمی مسئلہ کو روزناموں میں زیر بحث نہ لائیں کیونکہ اس سے عوام کے ذہن میں انتشار پھیلے گا اور ممکن ہے۔ کہ اس انتشار کی وجہ سے اصل ہدف یعنی نفاذ شریعت بالخصوص "اسلامی نظام عدل کا نفاذ" ہی کھٹائی میں پڑ جائے۔ اس طرح کے علمی مسائل پر گفتگو کرنے کا فورم اس طرح کی مجالس مذاکرہ

ہوتی ہیں ۔جن میں چیدہ چیدہ اہل علم جمع ہو کر تبادلہ خیالات کرتے ہیں اور کسی متفقہ موقف پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ روزنامے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے۔کہ جہاں تک مجھے علم ہے "قاضی آرڈی ننس" کے نفاذ کا ۱۴؍اگست ہی کو اعلان ہوجانا تھا مگر عورت کی دیت کے مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے ملتوی ہوگیا۔آپ جانتے ہیں کہ اندرون و بیرون ملک ایسی بہت سی طاقتیں مصروف عمل ہیں جو کسی بھی قیمت پر ملک میں نفاذ شریعت کو روکنا چاہتی ہیں۔وہ چاہتی ہیں کہ چھوٹے چھوٹے مسائل اور فروعی جزئیات میں ہمیں الجھا کر نفاذِ شریعت کے عمل کو معرض التواء میں ڈلوادیں۔لہٰذا یہ وقت چوکنا رہنے کا وقت ہے۔اور اس عزم کا وقت ہے۔کہ ہم ہر قیمت پر موجودہ حکومت کے نفاذ شریعت کے عمل میں تعاون کریں گے۔اور اس کی بہترین شکل یہ ہے۔کہ ہم (یعنی علماء دین و قانون) کسی ایک موقف پر متفق ہو جائیں۔اللہ کے نیک بندوں کی پہچان یہی ہے کہ جب حق ان کے سامنے آشکارا ہو جائے تو وہ اپنی ذات کے خول سے باہر نکل آئیں۔ اور مسائل کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔

اس سلسلے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ یہ تسلیم کرلیں کہ عورت کی دیت احادیث واجماع کی رو سے نصف ہی ہے۔لیکن قاضی کو اختیار دے دیا جائے کہ اگر وہ مناسب سمجھتا ہے تو تعزیراً وتغلیظاً بقیہ نصف یا اس سے زیادہ یا اس سے کم مجرم پر بطور جرمانہ عائد کردے ایسا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔نیز جمال الدین قاسمی نے اپنی تفسیر میں ذمی کی دیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا بھی ہے۔یہ ایسی شکل ہوگی کہ میرا خیال ہے۔سارے علماء اس پر متفق ہوجائیں گے اور رفع اختلاف ہو جائے گا۔

<u>ریاض الحسن گیلانی صاحب:</u> مولانا ہاشمی صاحب! میں آپ کے اس خیال کی مکمل تائید کرتا ہوں۔اور آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ دوالیبی صاحب زرقاء صاحب اور دیگر ماہرین

قانون کا بھی یہی خیال ہے۔ اور قصاص و دیت کا جو مسودہ آنے والا ہے۔ اس میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا ہے۔ مگر ہاشمی صاحب! یہاں ایک بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ جرمانہ کی رقم تو قانوناً سرکاری خزانہ میں جمع ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں تو۔

ہاشمی صاحب: گیلانی صاحب! یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قانون بنایا جا سکتا ہے کہ جرمانہ کی رقم مقتولہ کے ورثاء کو دے دی جائے گی۔

مولانا گوہر رحمٰن صاحب: ہاشمی صاحب! آپ نے جو تجویز پیش کی ہے۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس پر اتفاق ہے۔ میں نے اپنے نوائے وقت کے مضمون میں اسی سے ملتی جلتی بات لکھی تھی۔

مفتی غلام سرور قادری: ہاشمی صاحب! اگر تعزیراً بعینہٖ نصف دیت یا اس سے زیادہ عائد کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہاشمی صاحب: گویا آپ تمام حضرات میری اس تجویز سے متفق ہیں اور یہ مجلس مذاکرہ حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتی ہے کہ قصاص و دیت آرڈیننس فوراً نافذ کر دیا جائے۔

تمام حاضرین: (بیک آواز ہو کر) ہم آپ کی تجویز سے اتفاق کرتے ہیں کہ حکومت قصاص و دیت آرڈیننس نافذ کرے۔

ہاشمی صاحب: مولانا عبدالرحمٰن صاحب (جامعہ اشرفیہ) حضرت آپ دعا فرمائیں۔ اور دُعا پر مذاکرے کا اختتام ہوا۔

آپ حضرات کا بہت بہت شکریہ!